سلسلہ تصنیفات مسلم بک سوسائٹی نمبر ۹

وجادلھم بالتی ھی احسن

مکالماتِ ملیہ

یعنی

مکالمات جو حضرت خواجہ کمال الدین صاحب اور دیگر معلمان مذاہب دیگر
میں انگلستان اور دوسرے ممالک میں وقتاً فوقتاً مضامین متعلقہ اسلام
عیسائیت ہندو مذہب بدھ مذہب دہریت وغیرہ پر ہوئے

مرتبہ
عبدالغنی مترجم و مینجر رسالہ اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ (انگلستان)

ستمبر ۱۹۲۱ء میں
مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور نے شائع کی
مطبوعہ کریمی پریس لاہور
باہتمام میر امیر بخش مینجر چھپا

بلادِ غربیہ میں اسلام کا مشعل بردار

اسلامک ریویو مجریہ انگلستان قیمت سالانہ معہ …

(قیمت سالانہ …)

اس کا اردو ترجمہ

اشاعت اسلام

(قیمت سالانہ …)

ایڈیٹر۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری

مسلم پبلک میں اسلامک ریویو کسی معرفت کرانے کا محتاج نہیں ہم صرف برادران اسلام کو یہ اطلاع دینا چاہتے ہیں۔ کہ اس وقت اسی کے منافع پر انگلستان میں اسلامی مشن کے اخراجات بہت حد تک چل رہے ہیں اس کا ہر ایک خریدار اب گویا بلاد غربیہ میں اسلام کا خود متکفل ہوجاتا ہے۔ اگر برادران ملت کوشش کر کے انگریزی رسالہ کے پانچ ہزار اور اردو کے دس ہزار خریدار پیدا کر دیں تو ان کا منافع ہمارے ووکنگ اسلامی مشن کا کفیل ہوسکتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ انگریزی رسالہ کئی ہزار تک بلاد غربیہ میں مفت تقسیم ہو۔ اگر کوئی تبلیغ اسلام کا شیدائی ہمیں پانچ روپے سالانہ بھیجدے تو ہم انکی جگہ ایک انگریزی رسالہ یورپ میں تقسیم کر دینگے۔ کیا ملت بیضا کی اشاعت کے عاشق چند ہزار بھی ہندوستان میں نہیں؟

دوستو اٹھو! جاگو!! وقت کو غنیمت سمجھو!!! اسلامک ریویو ایک کامیاب ذریعہ اشاعت اسلام کا ثابت ہوا ہے اور بفضلہ تعالے اس نے اپنی عزت کو یورپ میں نہایت آب و تاب سے قائم کیا ہے اسکو مضبوط کرنے کی کوشش کرو۔ اور اللہ تعالی سے اجر جزیل پاؤ گے۔ والسلام

المشتہر خواجہ عبد الغنی مینیجر رسالہ اسلامک ریویو و اشاعت اسلام عزیز منزل لاہور

فہرست مضامین مکالمات طیبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجہ تصنیف

ملک جاوا سے آئے ہوئے مجھے شائد آج چھٹا دن ہے۔ کل دوران گفتگو میں بعض دوستوں نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ دوران قیام انگلستان میں اگر مجھے عیسائی مذہب یا کسی دوسرے مذہب کے اصحاب سے وہاں یا کہیں اور مذہبی گفتگو یا بحث کا موقع ملا ہو تو وہ حوالہ تحریر میں آنی چاہئے مجھے خود بھی ایک مدت سے ایسا ہی خیال تھا۔ اس مبلغانہ زندگی میں بیسیوں پادری اور ایسا ہی مذہب سے دلچسپی رکھنے والے دوسرے اصحاب مجھے ملے۔ قسما قسم کی گفتگوئیں ہوئیں۔ جو نہ صرف اسلام اور دوسرے مذاہب پر روشنی ڈالتی ہیں بلکہ بہت سے دیگر امور مذہبی پر ایک سبق ہو سکتی ہیں۔ علاوہ ازیں ان ابحاث سے یورپین نکتہ خیال اور اُن سے طریق گفتگو بھی سمجھ میں آتا ہے +

خدا کے فضل سے ووکنگ مسلم مشن اب قائم ہو چکا ہے جہاں ہر طرح ترقی کی امید ہی امید ہے۔ آئندہ مبلغین اسلام

کی ہدایت و راہ نمائی کے لئے بھی اگر میں مکالمات لکھ دوں تو فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں اور اصحاب اور دیگر مبلغان اسلام بھی انشاء اللہ العزیز اس تحریر سے مستفید ہو سکیں گے +

یہ چند خیالات اس امر کے متقاضی ہوئے کہ میں اس موضوع پر چند اوراق لکھا دوں۔ کل ابحاث و مکالمات کا لکھنا ایک لمبا وقت چاہتا ہے۔ جو اس وقت مجھے میسر نہیں ہیں اسی قدر کر سکتا ہوں کہ ان سفروں میں جب کبھی کچھ وقت مل گیا چند باتیں لکھا دیں۔ علاوہ ازیں اس قسم کی کل باتیں کب یاد رہ سکتی ہیں۔ یہ بھی جو کچھ لکھاؤں گا اس کے یاد رہنے کی خاص وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ گفتگوئیں خاص آدمیوں سے ہوئیں۔ جن میں سے بعض چوٹی کے اصحاب تھے۔ دوسرے مضامین زیر بحث میرے لئے خاص دلچسپی کا موجب تھے۔ پھر بھی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس طریق پر میں یہ مکالمات لکھاؤں گا وہ من وعن اسی طرح واقع ہوئے ہیں اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ میں ان اوراق میں موضوع مکالمات یا گفتگو متقابلہ کو پورے طور پر جہاں تک مجھے یاد ہے اپنے الفاظ میں لکھا دونگا۔ علاوہ ازیں اس سے مقصد تو صرف تعلیم مذہب ہے۔ اس لئے میں یہ مبتلا نا پسند نہیں کرتا کہ ان مکالمات

کا اثر فریق ثانی پر کیا ہوا کرتا تھا اور ایسا ہی سوا واقعات گفتگو اور دیگر واقعات متعلقہ کی تفصیل بھی چھوڑ دیجائیگی۔ میں یہاں صرف اسی قدر بیان کرونگا جو مکالمات مندرجہ کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ ان اوراق کا مقصد صرف اضافہ معلومات ہے +

صحت کے لحاظ سے میں ابھی اس قابل نہیں ہوا کہ یہ باتیں اپنے ہاتھ سے لکھوں۔ قلم پکڑتے ہی کچھ وقت کے بعد بعض اعصاب سر جوش میں آکر میرے لئے موجب تکلیف ہو جاتے ہیں مجبوراً کسی اور سے مافی الضمیر لکھانا پڑتا ہے۔ یوں تو گذشتہ جولائی سے آجتک پانچ کتابیں لکھی گئیں اور آج بفضلہ تعالیٰ چھٹی شروع ہو گئی لیکن مجھے اس طریق تصنیف پر اطمینان نہیں ایک تو ان تصانیف کی زبان حسب منشاء نہیں ہوتی خود لکھنے میں جو بات پیدا ہوتی ہے وہ دوسرے کو لکھانے میں نہیں آتی بعض وقت کاتب صاحب کچھ کا کچھ لکھ دیتے ہیں اور میں مسودات کو خود نظر ثانی نہیں کر سکتا کیونکہ کچھ دیر تک آنکھ کا استعمال بھی مرض الاحقر کو حرکت میں لے آتا ہے۔ علاوہ ازیں دوران تصنیف میں اگر کوئی اور حوالہ دینا چاہوں یا خود کسی حوالہ کی تلاش ہو تو یہی وجوہات اس امر کے لئے مانع ہو جاتے ہیں اس لئے میں ان اوراق کے پڑھنے والوں سے نہ صرف بعض فروگذاشتوں پر درگذر کی توقع رکھتا ہوں بلکہ یہ بھی استدعا کرتا

ہوں کہ وہ میرے لئے دعا خیر کریں تو تھوڑی بہت تکلیف جو رہ گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ اس سے بھی مجھے نجات دے۔ اور اس قابل کر دے کہ آیندہ جو مضمون لکھوں میں اپنی قلم سے لکھوں۔ محمد امین صاحب قریشی نووارد از کشمیر ان دنوں میرا قلم بنے ہوئے ہیں۔ میرے احباب ان کے لئے بھی دعا خیر کریں +

اِنڈین سٹوڈنٹ کلب

سٹرینڈ سٹریٹ لنڈن

لنڈن کے بازار سٹرینڈ کے بالاخانہ میں جنگ سے پہلے ایک کلب موسوم بہ انڈین سٹوڈنٹ کلب تھی۔ ممکن ہے اس کا وجود اب بھی کسی شکل میں ہو۔ یہ نام نہاد کلب دراصل انگلینڈ کے عیسائی مشن کی طرف سے تبلیغ مذہب کا ایک ذریعہ تھی اس کے کل اخراجات وہی مشن دیتا تھا۔ اس کا سکرٹری بھی آنڈلوں لارڈ ریڈ سٹاک آنجہانی کا بیٹا آنریبل مان ٹیگو تھا۔ یہ باپ بیٹا ہر دو پادری مزاج تھے۔ سکرٹری کلب مذکور ہر روز کل کی کل سہ پہر کلب میں گذارتا تھا۔ جہاں یہ آنے جانے والے طالبعلموں کو تبلیغ عیسائیت کرتا رہتا تھا۔ ہندوستانی طالب علم عموماً ایک معیت اور ضرورت کے لئے اس کلب کے ممبر ہو جاتے تھے۔ بیرسٹری کے طالبعلموں کو بعض وقت نیک چلنی کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہ کلب انہیں ایسے سارٹیفکیٹ بہم پہونچایا کرتی تھی۔ اسکے ممبر انڈین سول سروس کے بعض پنشن یافتہ افسر بھی تھے۔ آنریبل مان ٹیگو عموماً مہینہ میں ایک ایٹ ہوم بھی دیا کرتے تھے جنمیں علاوہ ممبران کلب کے وہ عموماً نووارد ہندوستانیوں کو بلایا کرتے تھے جن کے

پتہ کرنے کے سامان وہاں سب موجود ہیں۔ چنانچہ لنڈن میں مجھے پہنچے ہوئے شاید پانچ چھ ہفتے گذرے تھے کہ مجھے آنریبل مان ٹیگو کی طرف سے ایٹ ہوم میں شامل ہونیکا دعوت نامہ پہنچا۔ مَیں ایک لارڈ کے بیٹے کا اپنے آپکو مدعو سمجھ کر گیا۔ آگے ایک پادری نکلا جب مَیں میزبان کے گھر پہنچا۔ تو کوئی اور مہمان ابھی نہ آیا تھا۔ میزبان مجھے الگ لیکر بیٹھ گیا۔ اور چند منٹ کی متواضعانہ گفتگو کے بعد عیسائی مذہب کا جھگڑا لے بیٹھا۔ دوران گفتگو میں مَیں نے صرف ہاں اور نہ پر اکتفا کیا۔ البتہ مَیں نے اُسے یہ یقین دلایا کہ مجھے شوقِ مذہب ہے۔ چنانچہ ایٹ ہوم ہوگیا لیکن اسکے بعد آنریبل مذکور نے دو تین دفعہ مجھے پھر کلب میں مدعو کیا عموماً مذہبی گفتگو ہوتی رہی اُس وقت مَیں نے اپنا پیرایہ گفتگو مجادلانہ نہ رکھا۔ میرا مقصد اس وقت یہ تھا کہ میدان مذہب میں مجھے جن لوگوں سے معاملہ پڑنا ہے مَیں اُنکے مبلغ علم سے واقف ہو جاؤں۔ مَیں چاہتا تھا کہ مَیں عیسویت کے فاضلان الٰہیات سے باتیں کروں۔ آنریبل موصوف نے مجھے بہت سے ایسے مواقع بہم پہنچا دیئے جن کو وہ عیسائی تھیالوجی کا ماہر سمجھتے تھے۔ اُن سے میری ملاقات کرا دیتے۔ ان دنوں ایک امریکن پادری ریورنڈ وائلڈر نام بھی لنڈن میں آئے ہوئے تھے۔ یہ شخص ینگ مین کرسچن ایسوسی ایشن کے ہیڈ آفس کیطرف سے مختلف ممالک میں اس ایسوسی ایشن کی شاخیں قایم کر رہا تھا۔ ایک شام کو اس پادری کا ایک لکچر لنڈن یونیورسٹی کالج کے لکچر روم میں تھا جسکے پریزیڈنٹ لارڈ ڈریے سابق گورنر بمبئی تھے لیکچر کے بعد آنریبل مان ٹیگو نے مجھے لارڈ ڈریے سے اور پادری مذکور سے ملایا۔ آخر الذکر کا غیر معمولی تپاک مجھ پہ ظاہر کر رہا تھا کہ میری

بابت اُسے کچھ علم ہے۔ چنانچہ اُس نے وہیں مجھے کہا کہ میں اُسے پھر بھی ملوں میری رضامندی پراُس نے اپنا پتہ مجھے دیا اور خواہش ظاہر کی کہ میں فلاں دن ان سے ملوں ؛

ریورنڈ وایلڈر

مقام۔ گاور سٹریٹ لنڈن۔

مضمون۔ عیسائیت اور اسلام میں بناء اختلاف۔

حدیث۔ حضرت مریمؑ اور ابن مریمؑ کا مس شیطان سے بچنا۔ کی تشریح۔

مقررہ وقت پر میں ریورنڈ موصوف کے ہوٹل پر گیا جہاں وہ میرے منتظر بیٹھے تھے اور اِدھر اُدھر کی موسمی باتیں کرنے کے بعد پادری موصوف نے سلسلہ کلام شروع کیا لیکن اس گفتگو کو درج کرنے سے پہلے مجھے چند باتیں بطور تمہید یہاں لکھ دینی چاہئیں جس سے نہ صرف گفتگوے زیر بحث قابل فہم ہو جائیگی بلکہ دیگر ابحاث مندرجہ اوراق ہذ متعلق مذہب عیسویت پر بھی ضروری روشنی پڑ جائے گی ؛

حقیقت اسلام۔ بنیاد عیسائیت ۔ دونوں میں مابہ الامتیاز۔

عیسائیت اور اسلام میں جو بنائے اختلاف ہے وہ در اصل الوہیت مسیح یا کفارہ مسیح نہیں یہ تو بنیاد عیسائیت کی لازمی شاخیں ہیں اصل عیسائیت کچھ اور چیز ہے جسکے سمجھنے کے لئے پہلے حقیقت اسلام کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

بروئے تعلیم اسلام انسان میں قوانین الٰہیہ کی اطاعت کی استعداد ہے۔ اسی اطاعت کا نام اسلام ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے قول با

میں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے ہر ایک بچہ خواہ وہ کسی گھر میں پیدا ہو پیدائش پر مسلمان ہی ہوتا ہے یعنی اُس میں قانون آلہیہ پر چلنے کی استعداد ہوتی ہے انسانی قوتوں کی آبیاری کے لئے خدایتعالیٰ کی جناب سے ایک شریعت آجاتی ہے جسکی اطاعت میں انسان کے اندر کے چھپے ہوئے جوہر ظاہر ہونے لگتے ہیں ان ہی جوہروں کے کامل طور پر نشوونما پا جانے کا نام اصطلاح صوفیہ میں تکمیل نفس ہے اور اصطلاح قرآنی میں اسے فلاح کہتے ہیں۔ نزول وحی آلہی کی غرض و غایت بھی قرآن نے یہی بتلائی ہے۔ اولئٰك علٰی ھدًی من ربّھم و اولئٰك ھم المفلحون۔ یہ جوہر مخفیہ جن کا نام قوی فطریہ ہے۔ کسیقدر تو یہاں ہی روشن ہو جاتے ہیں لیکن ان کے کامل ظہور کا وقت دوسرے جہان میں داخل ہونے پر شروع ہوتا ہے جہاں اِنسان کو حیات جاوید یعنی جنتی زندگی ملیگی اس جگہ ہمیں آیندہ ترقی کے لئے تیاری کرنی ہے اسی لئے اس جہان کو مزرعہ آخرت کہا گیا ہے ہر ایک بچہ پیدا ہونے پر مسلم قویٰ اپنے اندر رکھتا ہے وہ اس دنیا میں جسمی ذہنی اخلاقی بالیدگی کی استعدادیں لیکر آتا ہے مذہب حقہ اسکے سامنے ایک دستور العمل زندگی پیش کرتا ہے جس پر چلکر وہ اپنی اِن قوتوں کو آیندہ ترقی کے لئے چمکا لیتا ہے اس دستور العمل کا نام شریعت یا الہامی کتاب ہوتا ہے اور اسپر چلنے کا نام اسلام ہے اگر ہماری قوتیں مطلوبہ تہذیب و تعدیل پا گئیں تو ہم وارث فردوس ہو جاتے ہیں یعنی اس قابل ہو جاتے ہیں کہ آیندہ کی شاہ راہ ترقی پر قدم زن ہوں لیکن اگر اس دستور العمل یا صراط مستقیم پر نہ چلیں یا اُس سے اِدھر اُدھر ہو گئے تو لامحالہ یا ہمارے قوی میں خامی رہجائے گی یا وہ بگڑ جائیں گے یا انہیں مزید

رفعت کی استعداد نہ پیدا ہوگی۔ ان نقصوں کے دفعیہ کے لئے جہاں ہندو بھائی
ایک انسان کو اسی دنیا میں واپس بلاتی ہے اور مسئلہ تناسخ کی تعلیم کرتی ہے
اس کے مقابل اسلامی تعلیم یہ ہے کہ ایسی ناقص ارواح اصلاح کے لئے کسی اور مقام
میں چلی جائیں گی جسے دوزخ کہتے ہیں وہاں کی اصلاح ضروریہ کے بعد وہ
بہشت میں جائیں گے۔

یہ حقیقت اسلام ہے اور اسی مذہب کو تمام مذاہب دیگر نے اپنی ابتدائی
شکل میں تعلیم کیا۔ جناب مسیحؑ کا بھی یہی مذہب تھا۔ لیکن پالوس وغیرہ نے
رومی اور یونانی باطل پرستوں کا مذاق پورا کرنے کے لئے مذہب کی شکل بدل دی
اور پالوس نے جس مذہب کی تعلیم کی اس کا پتہ اناجیل اربعہ میں نہیں ملتا بلکہ
یوں کہنا چاہیئے کہ پالوس کی عیسویت اس مذہب سے بالکل جدا گانہ ہے جو
اناجیل میں حضرت مسیحؑ نے تعلیم فرمایا وہ دراصل اسلام کی ایک شکل یا سبق ہے
اس وقت جو کلیسہ کا مذہب ہے اُسے مذہب مسیحؑ سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ پالوس
وغیرہ کا تعمیر کردہ ہے۔

پالوسی عیسویت

پالوسی عیسویت یہ ہے کہ آدم نے گناہ کر کے انسان کی سرشت کو بگاڑ دیا۔
جس سے انسان اس قابل ہی نہ رہا کہ شریعت الٰہیہ کی اطاعت کر سکے۔ گناہ جس کے
معنے عدم اطاعت احکام الٰہیہ ہے انسان کی فطرت میں آداخل ہوا۔ اس طرح
ہر ابن آدم فطرت گناہ کو لیکر پیدا ہوتا ہے لیکن پھر بھی بطور آزمائش خدا تعالیٰ آدم

سے چلکر مسیح تک وقتاً فوقتاً شریعت بھیجتا ہی رہا۔ چار ہزار برس تک یہ آزمایش چلی اس زمانہ کو عیسائی اصطلاح میں عہد قدیم کہتے ہیں یعنی انسان اور خدا میں پہلا معاہدہ یہ ہوا کہ اگر خدا کی دی ہوئی شریعت پر انسان چلیگا۔ تو خدا اُسے نجات دیگا۔ والّا اُسے سزا ابدی بھگتنی ہوگی۔ انسان اس معاہدہ پر قایم نہ رہا اور ہمیشہ احکام آلہتیہ توڑتا رہا۔ اس بات کو دیکھکر اول تو خدا انسان کو پیدا کر کے پچتایا۔ انسان تو مستوجب جہنم ابدی ہو چکا تھا۔ مگر رحم خداوندی انسان کو دوزخ میں نہ دیکھنا چاہتا تھا۔ محبت خداوندی نے آخر ایک تجویز نکالی وہ خود مسیح کے لباس میں انسان کی سزا بھگتنے آیا اور اس طرح عدل کے تقاضا کیلئے سزا کو پورا کر کے قدیمی مذہب شریعت کے بجائے خداتعالےٰ نے مذہب فضل دنیا کو دیا۔ اور عہد قدیم کے بجائے عہد جدید قایم کیا گیا اور نیا معاہدہ یہ ہوا کہ جو خون مسیح پر جو دراصل خود خدا کا خون ہے اور جس نے کفارہ گناہ کیا۔ ایمان لے آئے وہ عذاب سے نجات پائے۔

خدا کو اس لباس انسانی کے اختیار کرنیکی اس لئے ضرورت پڑی کہ جس صورت میں گنہگار انسان کی نجات کفارہ یعنی کسی کے سزا گناہ بھگتنے پر آ ٹھہری۔ تو کفارہ گناہ تو وہ دے جو خود کفارہ کا محتاج نہو نسل آدم میں کوئی اور انسان کفارہ ہونے کے قابل نہ تھا کیونکہ کوئی انسان گناہ سے خالی نہ تھا کفارہ تو وہ ہو سکتا تھا جو خود معصوم ہوتا اور عیسائی عقیدہ کے ماتحت خدا کے سوا کوئی معصوم نہیں اسلئے خود خدا کو پھانسی پر چڑھنا پڑا۔ لہٰذا کفارہ اور الوہیت مسیح بنیاد عیسائیت نہیں۔ بنیاد مسیحیت یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں گناہ ہے۔ گناہ سزا کو چاہتا ہے لیکن رحم خداوندی مانع سزا ہوتا ہے۔ اور عدل خداوندی سزا دیئے بغیر نہیں

رہ سکتا انسان تو ہی بچ سکتا ہے اگر کوئی اور اسکا کفارہ ہو سکے۔ انسان تو انسان کا کفارہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر ایک انسان گنہ گار ہے۔ اس لئے خدا نے مسیح کی شکل اختیار کی۔ الغرض عیسویت کا دو حرفوں میں خلاصہ یہ ہے کہ انسانی گناہ سزا کا مستوجب تھا۔ سزا پر کفارہ کی ضرورت ہوئی۔ کفارہ میں لزومیت معصومیت نے مسیح کی الوہیت تجویز کی ہے۔

اسلام اور عیسائیت میں مابہ الامتیاز

مسیح کی خدائی یا کفارہ حسب تشریح بالا ایک امر فاضل ہے۔ یا یوں کہو کہ بناء عیسائیت کی یہ شاخیں ہیں اصل فرق اسلام اور عیسائیت میں کچھ اور ہے بروئے عیسائیت انسان ماں کے پیٹ سے گناہ لاتا ہے۔ بروئے اسلام انسان پیدائش کے وقت ہر قسم کی آلایش اور گناہ سے پاک ہوتا ہے۔ بروئے عیسائیت انسان پیدائشاً جہنمی ہے اور بپتسمہ سے ہی بہشتی بن سکتا ہے۔ چنانچہ وہ بچے جو پیدائش پر بپتسمہ پانے سے پہلے پہلے مرجاتے ہیں وہ دوزخی سمجھے جاتے ہیں چنانچہ روس میں ایک فرقہ ایسے بچوں کو جلا دیا کرتا تھا۔ کیونکہ وہ بپتسمہ یافتہ لوگوں کے قبرستان میں دفن ہونے کے قابل نہیں ہوتے۔ بروئے اسلام سب بچے بروقت پیدائش مسلم اور جنتی ہوتے ہیں خواہ وہ غیر مسلم کے گھر پیدا ہوں اور اگر صغرسنی میں فوت ہو جائیں تو اہل جنت سے ہوتے ہیں۔ بروئے عیسائیت نجات کا ذریعہ ایمان بر کفارہ ہے۔ بروئے اسلام نہ انسان پیدائش پر کسی معصیت میں ہے نہ اسے کسی نجات کی ضرورت ہے تخم کی طرح اس میں بہت سی طاقتیں چھپی ہوئی

ہیں۔ ان طاقتوں کے ظہور سے ہی اُسے استحقاق جنت حاصل ہوتا ہے۔ اور اس ظہور کے لئے وہ ایک دستور العمل کا محتاج ہے جسے اصطلاح مذہب میں شریعت کہتے ہیں بتعلیم عیسائیت کے رو سے شریعت ایک لعنت ہے کیونکہ اسکی طفیل دُنیا میں گناہ آیا جسکی وجہ سے انسان لعنتی ہوا۔ اسلاماً نیکی اور گناہ امر اکتسابی ہے۔ انسان چاہے تو گناہ سے بچ سکتا ہے اور کسب خیرات کر سکتا ہے۔ عیسویت میں گناہ بطور ورثہ انسان کو ملا ہے۔ جس کے تاثرات سے وہ بچ ہی نہیں سکتا۔ ہاں اگر کفارہ پر ایمان لے آئے تو کسی اعجازی طریق پر اسکی فطرت سے استعداد گناہ مر جاتی ہے۔ فی الجملہ گناہ اگر ایک مرض ہے تو بروئے عقیدہ عیسائیت ماں کے پیٹ سے انسان اس مرض کو ساتھ لایا ہے۔ اور اس مرض کا کوئی نسخہ کسی طبیب کے پاس نہیں اس کا علاج ایک ہی ہے کہ طبیب اپنی جان گنوائے اور جب انسان یہ ایمان لائے کہ طبیب نے اس کے علاج کے لئے جان دیدی تو وہ فوراً شفا پالے۔ اسلام اسکے بالعکس یہ کہتا ہے کہ انسان صحیح الجسم حالت میں پیدا ہوتا ہے۔ اسمیں کسی مرض کا شائبہ بھی نہیں ہوتا کسی غلط کاری سے اور بتائے ہوئے راستہ پر نہ چلنے سے وہ مریض ہو جاتا ہے۔ اگر بروقت علاج ہو جائے تو مرض سے نجات ہو جاتی ہے درد سر کا علاج یہی ہے کہ طبیب کے کہنے کے مطابق کوئی نسخہ برت لیا جائے نہ یہ کہ طبیب اپنا سر پھوڑ لے اور مریض کو صحت ہو جائے۔

ریورنڈ وائیلڈ سے گفتگو

ریورنڈ۔ آپکو مذہب سے خاص دلچسپی معلوم ہوتی ہے؟

مَیں۔ مذہب زندگی کا ایک حقیقی نظریہ ہے اور انسان کو ایک بہترین دستورالعمل دیتا ہے اسلئے مذہب سے بہتر اور کونسی چیز قابل مطالعہ ہوسکتی ہے"۔

ڈریونڈ۔ "دستورالعمل سے مراد آپکی شریعت ہے"۔

مَیں۔ ہاں۔ انسان ہر حصہ زندگی میں اپنے آپکو کامیاب بنانے کے لئے ایک نہ ایک دستورالعمل یا قانون کا محتاج ہے"۔

ڈریونڈ۔ آپ دُنیوی قوانین کا ذکر کرتے ہیں"۔ اور یہ بات درست ہے ترقی دُنیوی قانون پر چلنے سے ہی وابستہ ہے۔

مَیں۔ "مجھے تو دین دُنیا میں تمیز کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا۔ دُنیوی امور میں ایک صحیح اور بہتر زندگی گذارنیکا نام ہی مَیں نے دین سمجھا ہوا ہے"۔

ڈریونڈ۔ "یہ تو صحیح ہے لیکن انسان میں ایسی زندگی گذارنے کی طاقت نہیں وہ اکثر غلطیاں کرتا ہے جس چیز سے نیکی کی طاقت انسان میں پیدا ہوتی ہے وہ مذہب ہے"۔

مَیں۔ مَیں آپ سے بالکل متفق ہوں۔ مذہب دُنیا میں آکر اگر نیکی کے قوانین دے دے تو انسان نیک ہو جائے گا۔

یہ تو مَیں جان رہا تھا کہ پادری صاحب کس طرف آرہے ہیں۔ وہ مسئلہ گناہ فطرتی کی طرف مجھے لانا چاہتے تھے۔ اور میرا خیال تھا کہ اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے ملاقات کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اِس لئے مَیں نے بھی پسند کیا کہ براہ راست سوال پر آنیکی بجائے حدیث غیر میں عقیدہ عیسائیت پر جرح قدح کی جائے ہمارے ہاں تو مذہبی ضوابط کا نام شریعت ہے۔ اور کسی گورنمنٹ کے ضوابط کا

نام قانون ہوتا ہے۔ لیکن انگریزی زبان میں ایک ہی لفظ لا دونوں کا قائم مقام ہے۔ اس لئے ریونڈ مذکور تو شاید لا سے مراد شریعت لیتے تھے لیکن میں نے بجواب اس کو عام معنوں میں لیا۔

ریوونڈ۔ لیکن انسان تو لا پر چل ہی نہیں سکتا۔"

میں۔ یہ ساری پارلیمنٹیں۔ واضعان قوانین کی مجلسیں کیوں دنیا میں قائم ہیں۔ اگر انسان قانون پر چل ہی نہیں سکتا تو یہ قانون بنائے ہی کیوں جاتے ہیں۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ نسل انسانی کا بہت ہی قلیل حصہ جیلخانوں میں ہے اور ایسا ہی شاید دس ہزار انسانوں میں ایک یا اس سے بھی کم بدمعاشی کیلئے زیر ضمانت ہونگے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسان قانون کی اطاعت کر سکتا ہے۔

ریوونڈ۔ "اوہ! آپ دنیوی قوانین کا ذکر کرتے ہیں۔ میری مراد قوانین خداوندی (شریعت) سے تھی۔"

میں۔ "اگر آپ دس احکام موسوی کی طرف اشارہ فرمارہے تھے تو ان میں کون سا حکم ہے جو دنیا کے قوانین میں نہیں آگیا۔ انسان تو انکی بھی اطاعت کر رہا ہے۔"

ریوونڈ۔ "اس مضمون کو چھوڑ کر آپ نے مذہب فضل پر بھی غور کیا۔"

میں۔ "انجیل تو میرے زیر مطالعہ رہتی ہے لیکن جو مذہب مسیح کا مجھے وہاں نظر آتا ہے وہ بھی مذہب شریعت ہے جس کا نام آپ مذہب فضل کہتے ہیں اس کی تعلیم تو مسیح نے کھلے طور پر کہیں نہیں کی"۔ وہ تو خود بھی شریعت کا پابند تھا اور شریعت کی ہی تعلیم کرتا رہا۔

ریوونڈ۔ وہ نسل انسانی کی طرف سے شریعت کو پورا کرنے آئے تھے۔ مگر

ان کے کلام میں بھی اشارات تو ہیں۔ البتہ پالوس رسول نے خون کے فضل کی پوری تشریح کی"۔

مَیں۔ "یہ تو ایک سرسری نگاہ سے نظر آتا ہے کہ پالوس ہی کلیسیہ کا بانی ہے مگر اس کا مسیح انجیل مسیح سے بالکل الگ ہے اور ایک شخص جو عیسائی نہیں اسکی نگاہ میں پالوس قابل سند نہیں۔ مسیح علیہ السلام واقعی قابل عزت ہیں لیکن اُن کے قول بھی غیر عیسائی کے لئے اُسی وقت سند ہوں گے جب عقل و منطق کے خلاف نہ ہوں"۔

ڈیوڈ۔ "آپ تو مسلمان ہیں۔ قرآن میں مسیح کی بہت عزت ہے۔ آپ یہ کیسے کہتے ہیں مسیح تو آپ کے لئے سند ہے"۔

مَیں۔ آپ صحیح فرماتے ہیں مسیحؑ ہمارے پیغمبر ہیں۔ لیکن اگر بائبل میں ان کے متعلق کوئی ایسی بات لکھی ہو جو قرآن کے خلاف ہو تو اُسے ماننے کے ہم پابند نہیں۔ مسلمان تو تیرہ سو برس سے ان کتابوں میں انسانی ہاتھ کا دخل تسلیم کرتے آئے ہیں۔ اور آج تو غالباً مغربی تحقیق میں بھی یہی بات آچکی ہے کہ جن کتابوں میں مسیحؑ کے حالات درج ہیں وہ ہم تک اصلی شکل میں نہیں پہنچیں مجھے یاد پڑتا ہے کہ مَیں نے کچھ ایسا ہی انسکلوپیڈیا برٹانیکا میں پڑھا ہے۔

ڈیوڈ۔ خیر یہ ایک لمبی بحث ہے مگر آپ اس حدیث کے متعلق کیا کہتے ہیں کہ صرف مسیحؑ اور اسکی ماں کو شیطان نے نہیں چھوا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ کے سوا کوئی معصوم نہیں تو پھر شریعت پر کوئی کیسے چل سکتا ہے۔

مَیں۔ آپ ہمارے علم کلام سے واقف ہوں گے۔ ہم قرآن کے بعد ہر ایک کلام

کے معنے قرآن کی روشنی میں کرتے ہیں۔ قرآن کے خلاف جو بات بھی ہو وہ سند کے قابل نہیں۔ اور ہمارے نبی ؐ نے جو کہا وہ قرآن کے مطابق کہا۔ قرآن نے صاف لکھا ہے کہ شیطان کا ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں جو خدا کے بندے ہیں (لیس لک علیہم سلطان) شیطان مسیح کے سوا دیگر عباد اللہ کو بھی نہیں چھو سکتا یہ جو حدیث کے الفاظ سے آپنے مریمؑ اور ابن مریمؑ کی تخصیص نکالی ہے اسکی وجہ عربی زبان کا ایک خاص انداز ہے۔ مبالغہ کے طور پر عربوں کا یہ محاورہ ہے جسکی بہت ہی تعریف کرنی ہو اسکے متعلق عرب یہ ہی کہا کرتے ہیں کہ وہی کسی خوبی مبینہ کا مالک دنیا میں ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ اور نہیں ہوتے تحقیق کی غرض مبالغہ فضیلت ہوتا ہے۔

ریورنڈ۔ لیکن اس خوبی کے لئے کہ مس شیطان سے کوئی انسان بچ جائے بانی اسلامؑ نے کیوں مریمؑ اور ابن کو چنا۔

میں۔ اسکی ایک خاص وجہ ہے جسکی تشریح میں شاید پھر کر سکوں۔ لیکن مریمؑ اور ابن مریمؑ کے متعلق جو کچھ آنحضرت صلعم نے فرمایا وہ تو بعض الزامات یہود کے مقابل بطور اندفاع کہا گیا اس سے کوئی خاص فضیلت مراد نہ تھی۔ یہ الفاظ تو بطور دفع الزام کہے گئے۔

نہ معلوم پادری صاحب نے اس تلمیح کو سمجھا یا نہ سمجھا لیکن اس پر ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔ اسلامک ریویو نکل چکا تھا۔ میں نے اس حدیث زیر بحث کی تشریح میں ایک آرٹیکل لکھکر انکی خدمت میں بھیجدیا جسکا خلاصہ یہ تھا کہ چونکہ مسیح کی ولادت یہودیوں کے نزدیک زیر الزام تھی جس امر کا بہتان حضرت مریم صدیقہ

پر لگایا گیا تھا اُسے کتابیہ محاورہ میں فعل شیطان کہا گیا ہے۔ اور ایسے بچے کی روح کو شیطان کی روح کہتے ہیں۔ آنحضرت صلعم اور قرآن نے کل انبیاء علیہم السلام کو بہتان مختلفہ سے بری الذمہ ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ حضرت مریمؑ اور انکے فرزند کو بھی الزام مشہورہ سے بری الذمہ ٹھہرانے کے لئے یہ فرمایا کہ تم تو انکی ولادت کو کسی شیطانی فعل کی طرف منسوب کرتے ہو ان دونوں کو تو شیطان نے مس تک نہیں کیا۔ رہا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور نبی یا کسی نبی کی والدہ کا ان لفظوں میں ذکر نہیں کیا تو اس امر کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اس امر کا الزام کسی اَور مقدس انسان پر نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے مسیحؑ کو روح اللہ کہا ہے۔ کیونکہ زانی زادے اسرائیلی محاورہ میں شیطانی روح کے بچے سمجھے جاتے ہیں۔

عیسائی لوگ ہمیشہ روح اللہ میں قرآن کو مایہ ناز سمجھا کرتے ہیں۔ چنانچہ ذیل کی گفتگو انڈین سٹوڈنٹ کلب میں ایک دفعہ ہوئی:۔

اونریبل مانٹیگو

مقام۔ انڈین سٹوڈنٹ کلب سٹرینڈ سٹریٹ لنڈن

مضمون۔ مسیح روح اللہ اور کلمۃ اللہ

اونریبل موصوف لپشاور کے مشن میں بھی کچھ کام کر آئے تھے اور فارسی لفظوں کو انگریزی لفظوں میں لانا پسند کیا کرتے تھے۔

آونریبل۔ خواجہ صاحب قرآن تو مسیح کو روح اللہ کہتا ہے"۔

مَیں۔ "تو آپ میں کس کی روح ہے"؟ روح تو خدا کی طرف سے ہی آئی ہے شیطان

کی طرف سے نہیں آئی۔ ہاں اگر آپ میں اور مجھ میں شیطان کی روح ہے تو پھر روح اللہ کے کچھ معنے ہو سکتے ہیں"۔

آدونزبیل۔ "لیکن مسیح کو تو خاص طور پر روح اللہ کہا گیا ہے"۔

میں۔ "قرآن نے ہر ایک انسان کی روح خدا کی روح قرار دی۔ مسیح سے کوئی خصوصیت نہیں۔ قرآن میں جہاں کہیں آدم کا ذکر ہے عموماً بطور قایم مقام انسان ذکر ہے۔ خدا کہتا ہے کہ میں نے اپنی روح آدم میں پھونکی یعنی ہر ایک ابن آدم میں خدا کی روح ہے"۔

آدونزبیل۔ "نہ معلوم آپ کلمۃ اللہ کی کیا تشریح کریں گے"۔

میں۔ قرآن نے خود سورۂ کہف میں اسکی تشریح کر دی ہے۔ اس سورت میں عیسائی عقاید پر قرآن نے مفصل بحث کی ہے۔ وہاں یہ ذکر ہے کہ اگر سمندر سیاہی بن جائے تو بھی کلام ربی ختم نہ ہو سکیں گے۔ کل مخلوقات کلمات ربی ہیں جب خدا کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو اسکا آغاز ایک کلمہ سے ہی ہوتا ہے۔ خدا کہتا ہے ہو جاؤ تو ہو جاتا ہے (کن فیکون)

مجلس متکلمین دھیریکس، کیمبرج

جو گفتگو ریورنڈ وایلڈر سے ہوئی اُس کے تکملہ کیلئے میں اُس سوال وجواب کو نیچے لکھدیتا ہوں جو اغلباً مارچ یا اپریل ۱۹۱۳ء میں بمقام کیمبرج ایک لکچر کے بعد ہوئے کیمبرج میں طلباء کی جہاں مختلف مجلسیں ہیں وہاں ھیریٹکیس کی بھی ایک مجلس ہے۔ اُن دنوں اس کے پریزیڈنٹ مسٹر آگڈن ایم اے تھے

یہ لوگ کسی کتاب کے قائل نہیں اور کسی امر کو برنگ منقول نہیں مانتے
وہ جو کچھ مانتے ہیں بصورت معقول مانتے ہیں انکی طرف سے بھی لکچر کے لئے
ایک درخواست میرے پاس آئی مضمون بھی انہوں نے خود ہی تجویز کیا
عیسائیت اور اسلام میں اصولاً امتیاز۔ اس لکچر کا ابتدائی حصہ تو وہی
تھا جو میں نے ان اوراق کی ابتداء میں لکھوایا ہے یعنی انسان کا قانون پر
چلکر اپنی استعدادوں کو روشن کرلینا۔ اس کے ضمن میں میں نے اسبات پر زور
دیا کہ انسان میں قانون یا شریعت پر چلنے کی استعداد ہے۔ وہاں کے لکچروں کے
بعد عموماً سوال وجواب ہوتے ہیں حاضرین کا حق سمجھا جاتا ہے کہ وہ لکچرار اگر
چاہیں تو اعتراض کریں اور لکچرار انکا جواب دے۔ میں نے اس طریق کو ہمیشہ
مفید پایا ہے۔ اس سوال وجواب میں کسیقدر خوش طبعی اور مذاق کی بھی اجازت
ہوتی ہے۔ لکچر میں جو بات ایک شخص کسیقدر تکلف کے ساتھ یا کسی لباس
میں کہنے کے لئے مجبور ہوتا ہے اس کے صاف کہدینے کے لئے یہ سوال وجواب
بہت ہی موزون ہوتے ہیں۔ حاضرین میں اس وقت بہت سی بی بیاں تھیں
دو تین مسلمان بھی تھے جنکو ھیرٹیکس کہلانیکا شوق تھا۔ چنانچہ سوال کا سلسلہ
ایک اپنے بھائی نے ہی شروع کیا۔

مسلمان ھیرٹیکس:۔ اگر مذہب انسانی قویٰ کو ہی چمکانے آیا ہے تو یہ تو واقعی
ایک عمدہ مقصد مذہب ہے۔ اور آپ کہتے ہیں کہ بہشت میں بھی یہ قویٰ اور
روشن ہوں گے تو یہ حوریں جنت میں کیا کام دیں گے"؟

میں:۔ انسانی سوسائٹی میں خواتین کا ہونا تہذیب اخلاق کے لئے ضروری ہے

ہم مرد جب تنہا بیٹھتے ہیں تو بے تکلف ہوتے ہیں لیکن جب ایک خاتون ہم میں آ بیٹھے تو ہمارے انداز آداب گفتگو لہجہ میں تہذیب شرافت آجاتی ہے۔ فی الجملہ کسی بی بی کے آتے ہی مرد بدلگامی کو چھوڑ دیتے ہیں آج اس مجلس کی بھی زیب و زینت یہی خواتین ہیں۔ اگر یہاں بھی انسانی شکل کے حیوان کو انسان بنانے کے لئے خواتین کی ضرورت ہے تو پھر آگے چلکر انسانوں کو فرشتہ بنانے کے لئے تو اس صنف کی اولیٰ تر ضرورت ہوگی.........

ایک خاتون۔ "یہ تو درست ہے کہ انسان دنیوی قانون پر چل سکتا ہے لیکن جس قانون کی طرف کلیہ کا اشارہ ہے وہ زبانی تواتین ہیں۔ ان پر چلنے کی انسان میں طاقت نہیں"۔

میں۔ "مثلاً"

خاتون۔ "دس احکام الٰہیہ جو موسیٰ کو دیئے گئے"۔

میں۔ ان میں ایک حکم یہ ہے کہ چوری نہ کرو۔ کیا میں قیاس کروں کہ ہم سب چور ہیں پھر ایک حکم ہے کہ ہم جھوٹ نہ بولیں تو کیا ہم میں سچ بولنے کی طاقت نہیں۔ ایک حکم ہے کہ ماں باپ کی عزت کیا کرو ہم ایسا نہیں کرتے وہ کونسا قانون ان دس احکام میں ہے جس پر چلنے کی ہم میں اہلیت نہیں۔ شاید عیسائیوں کے نزدیک پہلے ایک دو قانون ہوں گے جہاں خدا تعالیٰ نے توحید پرستی پر زور دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ انسان ایک خدا کے سوا دوسرا خدا نہ بنائے۔ جہاں مغربی دنیا نے تو واقعی ثابت کر دیا ہے کہ وہ توحید کے سمجھنے یا ماننے کے قابل نہیں اور وہ ان احکام کو توڑ کر ہی رہیں گے لیکن نسل انسانی کا ایک بڑا

ممتاز حصہ یعنی مسلمان کامل درجے کے توحید پرست ہیں اب ایک حکم رہگیا ہے ؛
یکے از حاضرین "۔ دہِس کر، سبت کا دن وہ تو ہم نہایت عمدگی سے ادا کرتے ہیں
ہماری خواتین چھ دن کام کرتی کرتی تھک جاتی ہیں وہ اتوار کی سہ پہر سونے میں
گذارتی ہیں کیونکہ اور تو کوئی صورت نہیں کہ جسمیں کوئی نہ کوئی کام نہ ہو ؛
میں "۔ خیر آپ کی اس خوش طبعی کے ہم مشکور ہیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ احکام موسیٰ
میں کوئی بھی ایسا حکم نہیں جس نے آج کسی نہ کسی دنیوی قانون کی شکل اختیار
نہیں کی اور ہمنے اُن پر چلکر ثابت کردیا ہے کہ انسان میں شریعت پر چلنے کی استعداد
ہے ورنہ ہم یہاں نہ ہوتے ہم شاہی مہمان ہوتے (جیلخانہ میں ہوتے)
یکے از حاضرین۔ "پادری صاحبان تو کہتے ہیں کہ ہم قانون پر چل ہی نہیں سکتے
تو گویا آپکی تشریح سے وہ اسباب کا اقبال کرتے ہیں کہ ان میں ارتکاب جرم کا
میلان ہے تو ہمیں اُن کا کوئی انتظام کرنا چاہیئے ؛
میں "۔ منطقی نتیجہ تو یہی نکلتا ہے۔ آپ کسی فوجداری عدالت کو تحریک کریں کہ
جو لوگ میلان ارتکاب جرم کا اقبال کرتے ہیں ان کا انسداد کریں ؛

لارڈ ریڈسٹاک آنجہانی

اونریبل ہانٹگیو نے میرا ذکر اپنے والد لارڈ ریڈسٹاک سے بھی کیا اور ایک دن
وہ مجھے لارڈ موصوف کو ملنے کے لئے لیگئے جس کے بعد لارڈ موصوف نے
کئی دفعہ مجھے لنچ پر اور چائے پر مدعو کیا۔ اُنکے ہمیشہ مذہبی تذکرہ رہتا تھا
ایک دن سینٹ پال کے خط بنام رومیوں پر گفتگو شروع ہوگئی خصوصاً دفعہ

نیچم پر جہاں وہ مسیحؑ کے کفارہ کے ذریعہ نجات کا ذکر کرتا ہے۔ اثنائے گفتگو میں لارڈ ریڈسٹاک کو کچھ مشکلات نظر آئیں تو انہوں نے بات کو طرح دیکر مجھ سے دریافت کیا کہ آیا میں نے کبھی ریورنڈ مارگن کا سرمن سُنا۔ میرے جواب نفی پر لارڈ موصوف نے کہا کہ آئندہ اتوار کی شام کو ریورنڈ موصوف سیٹی ٹمپل میں گرجا کرائیں گے۔ اگر آپ جاسکیں تو آپ انکا سرمن سُنکر ضرور خوش ہوں گے۔ وہ ایک امریکن فاضل ہیں۔ اور کیمبرج کے بیت العلوم دینیات کے پروفیسر بھی ہیں۔ میری آمادگی پر لارڈ موصوف نے اپنا ملاقاتی کارڈ مجھے دیدیا اور کہا کہ سیٹی ٹمپل میں پہنچنے پر میں یہ کارڈ ملازمان گرجا کو دکھلادوں۔ آئندہ اتوار کو جب میں مقام مذکور پر پہنچا تو میری انتظار میں پہلے سے ہی گرجا کا ایک معزز افسر کھڑا تھا اُسنے خود ہی پیش قدمی کرکے مجھے پوچھا کہ آیا میرے پاس لارڈ ریڈسٹاک کا کارڈ ہے۔ میں نے اسے کارڈ دیا جسپر وہ نہایت عزت وتکریم سے مجھے گرجا میں لیگیا۔ اور بیسیوں صفوں کو چیرتا ہوا آلٹر (مذبح) کے سامنے ایک ممتاز جگہ پر مجھے بٹھایا۔ وہاں سے بہت قریب منبر گرجا تھا۔

ہندوستانی احباب کی واقفیت کے لئے یہاں یہ لکھدینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ گرجا کا ہر ایک مقام ہر عیسائی کیلئے کھلا نہیں ہوتا یوں تو گرجا خدا کا گھر کہا جاتا ہے لیکن گرجا کی وہ جگہ جو منبر وعظ کے قریب ہوتی ہے وہ بک جایا کرتی ہے۔ مسجد کی طرح وہاں کے گرجاؤں میں سب سے پہلے آنے والے کو پہلی صف میں بیٹھنے کی اجازت نہیں

ہوتی۔ وہاں پہلی صف میں بیٹھنے کا حق اُسے حاصل ہوتا ہے جو اس جگہ کی قیمت ادا کرتا ہے۔ اگر وہ نہ آئے تو بھی اس کے لئے جگہ خالی رہتی ہے یہ عبادت گاہوں میں تجارت عیسائی ملکوں سے ہی مختص ہے۔ چنانچہ جس جگہ میں بٹھایا گیا اُسے انگریزی میں پیو (Pew) کہتے ہیں۔ وہ سال بھر کے لئے لارڈ ریڈسٹاک کی خرید کردہ تھی۔

الغرض گرجا شروع ہوا۔ ابتدائی دُعا اور گیتوں وغیرہ کے بعد جب ریورنڈ مارگن نے اپنا سرمن شروع کیا تو اسکا مضمون سینٹ پال کا خط بنام رومیان فصل پانچ وچھ تھا۔ اس بات کا سمجھ لینا میرے لئے کون سا مشکل امر تھا کہ یہ سب کھیل میری ہی خاطر بنایا گیا۔ لارڈ ریڈسٹاک نے ہی ریورنڈ مارگن کو میرے متعلق لکھا ہو گا۔ اور ممکن ہے یہی لکھا ہو کہ ایک وجیہ مسلمان عیسائیت کے قریب ہے اور اس کے راہ میں یہی مسئلہ ہے عبادت گرجا ختم ہو گئی اور لوگ گرجا سے نکلنے لگے کہ اتنے میں گرجا کا ایک اَور ملازم میرے پاس آیا اور مجھے اطلاع دی کہ مجھے پادری صاحب بُلاتے ہیں جس پر اس کے ہمراہ مَیں گرجا کے ایک گوشہ کے کمرہ میں گیا جہاں مَیں نے پادری صاحب کو پایا وہ اخلاق سے پیش آئے اور مَیں ایک کرسی پر ان کے پاس بیٹھ گیا۔

مَیں۔ میں آپکا مشکور ہوں کہ آپنے میری خاطر اس قدر تکلیف گوارا کی غالباً سرمن کے لئے آپکے پاس پورا وقت نہ تھا ورنہ سینٹ پال کی باتیں مزید روشنی چاہتی ہیں“۔

پادری صاحب۔ (حیرت کے لہجہ میں) "میں آپکا مطلب نہیں سمجھا"۔
میں۔ "میرا خیال ہے کہ آپنے یہ سرمن لارڈ روسٹاک کے لکھنے پر دیا"۔
پادری صاحب۔ "نہیں تو انہوں نے مجھے گرجا کے بعد آپ سے ملنے کیلئے لکھا ہے۔ کسی سرمن کے متعلق کچھ نہیں لکھا"۔
میں۔ "تو خیر یہ حسن اتفاق ہے ابھی تین چار روز ہوئے کہ میں انکے ہاں لنچ پر گیا تھا۔ یہی سینٹ پال کی تحریر جس پر آپ نے سرمن دیا۔ ہماری زیر بحث تھی۔ دوران گفتگو میں لارڈ موصوف نے آپکا حوالہ دیا تھا کہ آپ ان معاملات پر اچھی طرح روشنی ڈال سکتے ہیں"۔
پادری صاحب۔ "کیا واقعی انہوں نے ایسا ہی کہا۔۔۔۔۔"
میں (مخاطب کے چہرہ پر گھبراہٹ کے آثار دیکھ کر) "یہ امر چند اں قابل التفات نہیں۔ یہ ایک حسن اتفاق ہے۔ بہرحال میں آپکا شکر گذار ہوں۔ البتہ مجھے اسی رومیوں باب پانچ کے متعلق کچھ اور بھی عرض کرنا ہے لیکن آپ تو بہت تھک گئے ہیں پھر کبھی میں خدمت میں حاضر ہو سکتا ہوں مجھے ان باتوں کا بہت شوق ہے"۔
پادری صاحب۔ "میں آپکا مشکور ہوں۔ ہاں ہمیں بہت سا وقت ایک دوسرے کو دیکھنے کے لئے مل سکتا ہے میں ہفتہ عشرہ میں آپکو اطلاع دوں گا کہ ہم کب مل سکتے ہیں۔ یہی جگہ شاید ملاقات کے لئے موزوں ہوگی۔ کچھ معمولی گفتگو کے بعد یہ ملاقات تو ختم ہوگئی۔

ریورنڈ جے مارگن ایم اے

مقام۔ سیٹی ٹمپل کا انوسٹری روم

مضمون۔ مسیحیت خدائے رب العالمین کا بھیجا ہوا مذہب نہیں ہو سکتا۔
واقعہ صلیب مسیحؑ اگر خلق اللہ کو گناہ سے نجات دلانے کے لئے تھا
تو اُس کے ظہور کا وقت کوئی موزون وقت نہ تھا۔

ریورنڈ مارگن صاحب نے چند دنوں کے بعد مجھے اطلاع دی کہ وہ آیندہ اتوار نو بجے کے قریب سیٹی ٹمپل کے کمرہ میں مجھے ملکر خوش ہوں گے چنانچہ مَیں وقت مقررہ پر سیٹی ٹمپل میں پہنچا۔ وہاں ایک شخص میرا پہلے سے ہی منتظر تھا کہ مجھے گرجا کے ایک پہلو کے کمرہ میں لے گیا۔ یہاں پادری صاحب مجھے خوش خلاقی سے ملے۔ کچھ وقت حسب دستور موسم پر گفتگو ہوتی رہی کچھ امور حاضرہ زیر بحث آئے پھر پادری صاحب نے فرمایا کہ آپ تو مجھ سے دو میوں کے متعلق کچھ ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

مَیں۔ ہاں جب وقت آپ سرمن نہایت قابلیت سے دے رہے تھے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مسیحؑ کا صلیب پانا ہماری نجات کیلئے ضروری تھا۔ جیسا کہ پالوس کا خیال ہے کیونکہ وہی اس مسئلہ کا معلّم اوّل ہے تو یہ خاص وقت یعنی آج سے دو ہزار برس پہلے کیوں صلیب کیلئے انتخاب کیا گیا"۔

پادری صاحب۔ آپکا مطلب یہ ہے کہ مسیحؑ کیوں دو ہزار برس ہوئے

ظاہر ہوا کیا اُسے آج ظاہر ہونا چاہیئے تھا یا آپ کے نزدیک کوئی اَور موزون وقت ہو سکتا ہے۔ یہ تو منشاء خداوندی ہے اُسکی مشیت میں کون دخل دے سکتا ہے"

مَیں "مجھے افسوس ہے کہ مَیں اپنا مافی الضمیر صاف الفاظ میں آپ پر ظاہر نہیں کر سکتا۔ پاؤس رومیوں میں منطقیانہ پہلو اختیار کرتا ہے اس لئے اس پر منطقیانہ سوال پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ جس طرح ایک آدمی نے یعنی آدم نے گناہ کر کے کل نسل انسان کو زیر گناہ کیا اسی طرح ایک اور آدمی یعنی مسیحؑ نے آ کر کل نسل انسان کو پاداش گناہ سے بچایا جس طرح ایک انسان گناہ کے عوض میں موت لایا دوسرا اس سزا کو خود بھگت کر اولاد آدم کے لئے حیات ابدی لایا"

پادری صاحب۔ ہاں یہ تو صحیح منطق ہے۔ اور اسی کی تفصیلات پر میرا وہ سابقہ سرمن تھا۔ اگر آپ چاہیں تو مَیں اسکو زیادہ تشریح کر دوں

مَیں۔ آپکا بہت بہت شکریہ۔ مَیں تو یہ نہیں کہتا کہ مَیں آپ سے اس معاملہ میں متفق ہوں مَیں کچھ اَور عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ آدم نے گناہ کیا۔ اس کے بعد قابیل ابن آدم نے گناہ کیا۔ گناہ ورثہ انسانی میں آگیا اور قیامت تک چلیگا۔ اگر مسیح نسل انسانی کو گناہ یا سزائے گناہ سے نجات دینے کیلئے آیا تو میرے نزدیک اسکے ظہور کیلئے دو ہی وقت موزون سے موزون ہو سکتے ہیں جس وقت گناہ ہوا تھا یا جب نسل انسانی کا خاتمہ ہوتا"

پادری صاحب "یہ دو وقت آپ کس وجہ سے تجویز کرتے ہیں"
میں "خدا کی محبت نے حسب تعلیم عیسائیت یہ سب کچھ کیا۔ خدا عالم الغیب ہے۔ کیا بہتر نہ ہوتا کہ آدم کے گناہ کرنے پر جب خدا جانتا تھا کہ اب گناہ نسل انسانی کریگی تو تین چار ہزار برس انتظار کرنے کی بجائے وہ صدور گناہ کے بعد ہی مسیحؑ کی شکل میں ظاہر ہو جاتا اور گناہ کی پاداش میں مصلوب ہو کر آدم کو حکم دے دیتا کہ اس کی اولاد میں سے جو اس خون پر ایمان لائیگا وہ نجات پائیگا۔ اس سے ایک یہ بھی فائدہ ہوتا کہ نسل انسانی میں سے گناہ کم ہوتا۔ کیونکہ کہتے ہیں کہ کفارہ مسیحؑ پر ایمان لانیسے لوگوں میں فطرت گناہ مر جاتی ہے اگرچہ واجبات اسکی تصدیق نہیں کرتے یا اور ایک وقت اسکی مصلوبیت کے لئے موزون تھا یعنی جب کل نسل انسانی گناہ کر کے مر جاتی تو پھر خداوند مسیحؑ پھانسی پاکر سب کیلئے کفارہ ہو جاتا"۔

پادری صاحب "میں آپکا مطلب سمجھا لیکن کیا آپکو اس امر میں شک ہے کہ کفارہ مسیحؑ پر ایمان لانے سے انسان میں گناہ کی فطرت مر جاتی ہے میں تو آپکو ذاتی تجربہ سے کہتا ہوں بہت سے بداخلاق اور بدچلن اشخاص کے گناہ خون مسیحؑ نے دھو ڈالے۔ انسان کہاں شریعت پر چل سکتا ہے عمل سے ہم نہیں نجات پا سکتے۔ خدا کے فیضان سے ہم نجات پاتے ہیں چنانچہ نیا عہد نامہ اسی لئے انسان سے ہوا۔ پرانا عہد نامہ شریعت اور عمل کا تھا۔ مگر انسان شریعت پر نہ چل سکا۔ اسلئے فضل سے نیا عہد نامہ

انسان سے کیا۔ یعنی گناہ کی سزا، خداوند نے بھگت لی۔ اب جو اس پر ایمان لائے وہ نجات پائے گا"۔

میں "غالباً ہم سوال سے دور چلے گئے ہیں۔ اس تھیالوجی سے میں واقف ہوں میں اس پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں یہ آپ سے روشنی چاہتا تھا کہ اس غرض کے لئے جو آپنے فرمایا آج سے دو ہزار برس کا وقت کیوں چنا گیا"

پادری صاحب۔ "شاید وہ طغیان گناہ کا وقت ہوگا یا کل کی کل دنیا اس وقت سخت گناہ میں مبتلا ہوگی"۔

میں۔ "آپ یقینی تو یہ نہیں کہہ سکتے۔ لیکن کیا آپکی کتب مقدسہ میں کہیں ایسا لکھا ہے کہ ظہور مسیح کا وقت سخت گناہ کا وقت ہوگا"۔

پادری صاحب "مجھے ایسا یاد نہیں پڑتا اور کل دنیا کے لئے غالباً بائبل میں کوئی ایسی بات نہیں"۔

میں۔ "آپ صحیح کہتے ہیں مگر ہم اس معاملہ میں تاریخ سے مدد لے سکتے ہیں یورپ کی تاریخ آپنے بھی دیکھی ہے۔ گی اور میں نے بھی کچھ دیکھی ہے۔ اسکے علاوہ ہندوستان اور عرب کی تاریخ سے میں کسیقدر واقف ہوں گناہ اور بد خلاقی کے لحاظ سے دنیا کا بدترین زمانہ پانچویں چھٹی صدی مسیح کی تھی۔ یہی یورپ ایام وسطی کا زمانہ یا اسکا آغاز ہے۔ اگر مسیح کو یا کسی اور کو گناہ کے علاج کیلئے پیدا ہونا تھا تو پھر موزوں سی موزوں وقت تو یہی مسیح کی پانچویں لہ

لہ فٹ نوٹ یہی زمانہ بعثت نبوی کا ہے۔ بلکہ قرآن نے خاص طور پر اشارہ کیا ہے اور ظہور مصطفویہ کی یہی ایک وجہ بتائی ہے جیسے کہ فرمایا ظہر الفساد فی البر والبحر خشکی کے رہنے والے اور جزیرہ کے رہنے والے بگڑ گئے"

صدی نظر آتی ہے۔ اگر تو مسیحؑ کے ظہور کا تعلق خاص قوم یہودی سے ہوتا تو اسکی مکانی زمانی خصوصیت کا سمجھ لینا شاید اتنا مشکل نہ ہوتا لیکن مسیحؑ کی بشارت تو کل دنیا کے لئے آئی اسلئے یہ خیال پیدا ہوتے ہیں"۔

پادری صاحب "میں نے اس معاملہ پر کبھی اس نکتہ خیال سے غور نہیں کیا جو آپنے پیش کیا میں اب اس پر غور کروں گا"۔

میں۔ "میں آپکا از حد مشکور ہوں لیکن اس کے ضمن میں بلکہ اس کے ساتھ ہی ایک اور بات بھی حل کرنے کے قابل ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے آیندہ غور کے لئے اسے بھی پیش کر دوں"۔

پادری صاحب۔ "ہاں میرے پاس ابھی کچھ اور خالی وقت ہے آپ کہدیں"۔

میں "خدا تعالیٰ کسی خاص قوم کا رب نہیں کل مخلوق اسکی نگاہ میں یکساں ہیں چنانچہ جہاں تک ہماری پرورش جسم کا تعلق ہے کل نسل انسانی کے لئے اس کا فضل یکساں ہے۔ سورج۔ چاند تارے۔ بادل۔ شجر۔ حجر۔ زمین۔ معدنیات مختلف ہوائیں اگر ہماری پرورش کیلئے ضروری ہیں تو وہ سب جگہ موجود ہیں۔ روح کی پرورش بھی یکساں ہونی چاہئیے"۔

پادری صاحب "مسیحؑ تو سب کے لئے ہے۔ وہ شروع میں یہودیوں کو ضرور خطاب کرتا رہا۔ لیکن وہ آسمان پر جانے سے پہلے اپنے شاگردوں کو تاکید کر گیا کہ اسکی بشارت دنیا کے ہر ایک گوشہ تک پہنچادی جائے چنانچہ اسی حکم کے مطابق ہمارے فارن مشن دنیا میں کام کرتے ہیں"۔

میں۔ "واقعی! کیا مسیحؑ نے صلائے عام دی ہے"۔

پادری صاحب" آپ انجیل مرقس کی آخری آیتیں دیکھیں۔"

مَیں" ہاں مَیں اُن آیات سے واقف ہوں اور جو انگلستان کے مترجمین اوّل انجیل نے ان آیات کے حاشیوں پر لکھا ہوا ہے وہ بھی مَیں نے پڑھا ہوا ہے۔"

بات یہ ہے کہ اس آیت کے سوا، اَور کوئی مسیحؑ کا حکم نہیں جس سے تعلیم مسیحؑ کو بروئی حکم مسیحؑ کل دنیا کے لئے سمجھا جائے۔ جناب مسیحؑ صرف یہودی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ مدت العمر انہوں نے نہ کسی غیر اسرائیلی کو مخاطب کیا نہ یہ ظاہر کیا کہ اُنکا مشن اور اقوام کیلئے بھی ہے بلکہ اگر رومی یا کوئی غیر اسرائیلی شخص اُن سے کبھی ہدایت کا جویاں ہوا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ بلکہ ایک وقت آپنے جلال میں آکر ایک عورت کو یہ بھی کہہ دیا کہ "بچوں (بنی اسرائیل) کی روٹی کتوں (غیر اسرائیلی اشخاص) کو نہیں ڈالی جاتی"۔ خصوصاً وہ آخری نوحہ میں بھی بنی اسرائیل کا ہی رونا روتے اور یوروشلیم (مسکن یہودیہ یعنی بیت المقدس) کو ہی تاسف سے مخاطب کرتے ہیں۔

ہمیں شک نہیں کہ انجیل متی میں بھی غالباً آخری عید فسح کی روٹی توڑتے ہوئے یا اس کے قریب مسیحؑ نے حواریین کو حکم دیا کہ وہ اور قوموں کی طرف جائیں اس سے بھی بعض عیسائی فارن مشن کی ایک وجہ تلاش کرتے ہیں لیکن نسخہ جات یونانی میں جو لفظ ہے اس سے مراد یہودیوں کی باقی قومیں سمجھی جاتی ہیں۔ جناب مسیحؑ کا مشن کل اقوام یہودیہ کی طرف تھا۔

آپ کے سامنے مُدت العمر بارہ اسرائیلی قوموں میں سے ایک ہی قوم رہی
باقی گیارہ قوموں کو وہ تبلیغ نہ کر سکے۔ لہٰذا متی کے الفاظ ان باقی قوموں
کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ صرف اُن سے فادر مشن کی جوازیت پیدا ہو
سکتی ہے لیکن مرقس کی یہ گیارہ آیتیں کل کی کل الحاقی ہیں۔ اُن مترجمین
مترجمانِ انجیل نے جنہوں نے سب سے اوّل شاہ جیمس کے حکم سے بائبل
کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ان آیات کے حاشیہ پر لکھدیا کہ یہ آیتیں قدیم
نسخہ جات میں موجود نہیں یعنی الحاقی ہیں۔ ایسا ہی اُن نیک نہادوں
نے انجیل یوحنّا کی اس آیہ کی حاشیہ پر بھی یہی بات لکھدی۔ جہاں
بیان کیا گیا ہے کہ آسمان پر تین نام ہیں یعنی باپ بیٹا روح القدس
گو یہ آیت بھی الحاقی ہے۔ اس آیت کو اگر نظر انداز کیا جائے تو پھر ایک
بھی آیت چاروں انجیلوں میں نہیں پائی جاتی کہ جس سے تثلیث ثابت
ہو سکے۔ ان مترجمین نے تو حق امانت ادا کر دیا۔ لیکن ہم ان موجودہ
مترجمین یا بائبل کے چھاپنے والوں کو کیا کہیں جو ان آیات کو
بھی انجیلوں میں درج کر دیتے ہیں۔ اور ان کے مقابل مترجمین اوّل
کا حاشیہ بھی اُڑا دیتے ہیں کہ جن سے ہر کوئی شخص سمجھ سکتا تھا کہ یہ
آیتیں اصلی نہیں ؛۔

پادری صاحب ایک فاضل انسان تھے وہ میرے اشارہ کو
تاڑ گئے میں بھی یہ سمجھتا تھا کہ اس بحث میں پڑنے سے اصل مطلب
اُڑ جائیگا۔ البتہ میرے اس اشارہ کے بعد کہ میں ان مرقسی آیات کی

حقیقت سے آشنا ہوں۔ پادری صاحب کا میلان یہی نظر آتا تھا کہ اب سلسلہ گفتگو ختم ہو۔ چنانچہ میرے کہنے پر فی الفور کہنے لگے۔

پادری صاحب:" خیر اب اصلی مطلب کی طرف آئیں"۔

میں: میں یہ عرض کرتا تھا کہ جس طرح جسم کی پرورش خدا کی طرف سے یکساں ہو رہی ہے ویسے روح کی پرورش بھی یکساں طور سے ہونی چاہیئے یعنی سب کو مذہب ایک ہی ملنا چاہیئے۔ کل دُنیا کے مذاہب موجودہ اور قدیمی دو شاخوں میں منقسم ہوتے ہیں ایک وہ جن کی بنیاد الہام و شریعت ہے یعنی خدا کی طرف سے ایک نبی شریعت لیکر آیا اور خدا نے اسکی معرفت لوگوں کو اطلاع دی جو شریعت پر چلیگا وہ نجات پائیگا۔ آپ کسی گمنام جزیرہ میں آج بھی چلے جائیں۔ ایسے وسط افریقہ کے کسی حصّہ میں چلے جائیں اس قسم کا مذہب آپکو ملجائیگا۔ وہ مذہب بگڑی ہوئی شکل میں ضرور ہو گا لیکن اُس کے متعلق آپ ہر جگہ ایک ہی روایت سنیں گے یعنی اُن کے بزرگوں میں ایک انسان پیدا ہوا جو خدا کی طرف سے یہ احکام انکی طرف لایا اور جن پر چلنے سے انہیں نجات حاصل ہوگی یہ مذہب جسے آپکی اصطلاح میں عہدنامہ قدیم کہتے ہیں۔ ابتداء سے لیکر آجتک ہر جگہ دایروسایر ہے گویا جس طرح جسم کی پرورش ایک ہی قسم کی ہر جگہ موجود ہے ویسے روح کی پرورش کے لئے بھی ایک ہی قسم کا مذہب ہر جگہ موجود ہے۔ اور ربوبیت عالمین بھی اسباب کی مقتضی ہے جس مذہب فضل کی آپ تعلیم دیتے ہیں

یعنی عہد نامہ جدید جس کے رُو سے ایک شخص خونِ مسیحؑ پر ایمان لانے سے نجات پالیتا ہے وہ بھی ہر قوم کو یکساں طور پر پہنچ جانا چاہیئے تھا۔
پادری صاحب" انجیل کی منادی تو کُل دنیا میں ہو گئی"۔
میں" آپ صحیح کہتے ہیں۔ لیکن آپ مجھے کچھ لمحوں کیلئے اجازت دیں تو میں بالتشریح عرض کروں"۔
پادری صاحب" ہاں مہربانی"۔
میں" صرف گزشتہ ایک ڈیڑھ صدی سے کہا جاتا ہے کہ انجیل کی منادی ہر جگہ ہو چکی ہے۔ لیکن کروڑ در کروڑ مخلوق دُنیا کے مختلف حصص میں اس ڈیڑھ ایک صدی سے پہلے ایسی گذر چکی ہے جنہوں نے مسیحؑ کا نام تک بھی نہ سنا تھا۔ اب اگر ظہورِ مسیحؑ نے آکر عہد نامہ قدیم یعنی مذہب شریعت کو منسوخ کر کے مذہب فضل دیا اور ظہورِ مسیحؑ کے بعد نجات کا راستہ صرف خونِ مسیحؑ پر ہی ایمان لانے سے وابستہ رہا تو ان کروڑ در کروڑ مخلوق کا کیا حشر ہو گا وہ ابدی جہنم میں کیوں جائیں مسیحی دنیا کی طرح اگر وہ لوگ بھی گنہ گار پیدا ہوئے جیسا کہ عیسائی عقیدہ سکھلاتا ہے تو مسیحی دُنیا کے بچے تو بپتسمہ پا کر جنتی ہو جائیں اور وہ لوگ ابدی جہنم میں جائیں۔ اگر وہ مسیحؑ کا نام سُنکر بپتسمہ نہ پاتے تو امر دیگر تھا۔ لیکن اُنھوں نے نام تک بھی نہ سُنا اور دُنیا سے چلے گئے۔ اُن کا حشر کیسے ہو گا"؟
پادری صاحب" اُنھیں تو دوزخ میں نہ جانا چاہیئے کیونکہ یہ امر بعید

از انصاف نظر آتا ہے لیکن آخر مسیح نے ایک ہی جگہ پیدا ہونا تھا دوسرے
مقامات پر اسکی بشارت آہستہ آہستہ جائے گی"
میں۔ یہ آپ صحیح کہتے ہیں لیکن نجات اگر کبھی رُوحانی کیفیت کا نام ہے
اور کوئی بیرونی چیز نہیں جو کسی نے اُسے بطور تحفہ دیدینی ہے بلکہ اُس
اندرونی تبدیلی کا نام ہے جس سے انسان وارث جنت ہو جاتا ہے
اور مَیں تسلیم کر لیتا ہوں کہ کفارہ پر ایمان لانے سے وہ تبدیلی ہو جاتی ہے
لیکن آپنے یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ جن لوگوں نے مسیح کا نام نہیں سُنا
وہ ایمان پر کفارہ نہ لانے سے دوزخی نہیں ہو سکتے تو پھر نجات کے لئے
کفارہ پر ایمان ضروری نہ رہا جس طرح مسیح کا نام نہ سُننے والوں کے اندر
بہشتی حالت پیدا ہو سکتی ہے۔ ویسے ہی وہ لوگ بھی جو مسیح کا نام سُن کر
اس کے خون پر ایمان نہیں لاتے اپنے اندر بطور رُوحانی کیفیت
پیدا کر سکتے ہیں"
پادری صاحب۔ "یہ آپ کے نتائج صحیح ہوں گے لیکن یہ مجھے نہیں
سمجھ آتی کہ مسیح ایک دم کس طرح ہر جگہ پہونچ سکتا ہے"
میں "جس طرح مذہب شریعت ہر جگہ پہونچا۔ ہر قوم کو ہادی اور
رسُول دیئے گئے"
پادری صاحب" تو کیا مسیح بھی ہر قوم کو ایک ہی وقت دیا جاتا"
میں۔ اب میری غرض کو آپ سمجھ گئے۔ مسیح تو آخر خدا تھا جس نے
ابن مریمؑ کی شکل اختیار کی۔ اُس کے لئے کیا مشکل تھا کہ وہ لاکھ شکلیں

اختیار کرتا۔ بقول پالوس شریعت ایک لعنت ہے اوّل تو یہی نہیں سمجھ آتی کہ عالم الغیب خدا نے اس طوق لعنت کو انسان کے گلے میں ہی کیوں ڈالا پھر آج سے دو ہزار برس پہلے نسل ہائے انسانی نے خدا کا کیا قصور کیا تھا کہ انکو تو اس لعنت تلے رکھا اور ہمکو یعنی ظہور مسیحؑ کے بعد کی نسلوں کو اس لعنت سے بچنے کا موقعہ دیا۔ اور پھر اس فضل کو بھی عام نہ کیا۔ میری ناقص رائے میں اگر انسان کو خدا تعالیٰ نے لعنت شریعت سے نجات ہی دینی تھی تو ظہور مسیحؑ کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اوّل آدم کے گناہ کرنے پر ہی خدا مجسمہ مسیحؑ میں ظاہر ہو کر مصلوب ہو جاتا یا میدان حشر میں سب مخلوق کو جمع کر کے انسان کی سزا آپ اٹھا لیتا لیکن اگر کسی مصلحت کے ماتحت آج سے دو ہزار برس پہلے ہی ظاہر ہونا تھا تو ہر جگہ خدا انسان کی شکل اختیار کر کے صلیب لے لیتا۔ کل مخلوق ایک ہی وقت مذہب فضل کو مذہب شریعت کی طرح پا لیتے جس طرح کل دُنیا کو یکساں شریعت دی گئی۔ اسی طرح کل دُنیا اس لعنت سے بقول پالوس بچ جاتی اور خدائے تعالیٰ کی ربوبیت عامہ پر بھی حرف نہ آتا۔"

پادری صاحب "آپکی گفتگو ایک طرح میری تعلیم کا موجب ہوئی ہے ایک تو میں نے ان نکتہ ہائے خیال سے مذہب پر غور نہیں کیا۔ دوسرا مجھے آج ہی ہندوستانی دل و دماغ کو دیکھنے کا موقع ملا۔ اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ جو کچھ ہمنے آجتک آپ لوگوں کے متعلق سُنا تھا وہ صحیح ثابت نہیں ہوتا۔"

میں "آپ غالباً فارن مشن کی رپورٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں"۔
پادری صاحب "نہیں خیر یہ امر غیر متعلق ہے مجھے ایسا خیال نہیں تھا کہ ہندوستانی اس قدر میٹافیزکس (معقولات و منطق) کی طرف رغبت رکھتے ہیں میں بھی امور زیر بحث پر غور کرونگا لیکن ان باتوں میں زیادہ تر شغف ہمارے کالج کے پرنسپل کو ہے آپ اُن سے ملیں میں اپنی طرف سے اتنا کہتا ہوں کہ مجھے پالوس کی ہر ایک بات سے اتفاق نہیں۔ نہ اُس کی منطق ہر جگہ مجھے صحیح معلوم ہوتی ہے۔ خصوصاً اس کا شریعت کو لعنت قرار دینا۔"
میں "میں آپکا مشکور ہوں کہ آپنے مجھے بہت سا وقت دیا۔ غالباً میں آئندہ ایسی عنایت کو حاصل نہیں کر سکوں گا۔ کیونکہ آپنے پرنسپل کالج کا حوالہ دیا ہے"۔
پادری صاحب "ہاں وہی ان باتوں کے اہل ہیں"۔
میں "اب تو کوئی وقت نہیں میں بھی آپ سے رخصت چاہتا ہوں لیکن یہ بات آپ سے سنکر مجھے تعجب ہوا کہ آپکو پالوس سے بعض جگہ اتفاق نہیں۔ جہاں تک میں نے آپکے مذہب کا مطالعہ کیا ہے مجھے تو تیرے کلیسیا کا بانی پالوس ہی نظر آتا ہے۔ اب اگر ہمیں پالوس کے خلاف رائے رکھنے کا حق حاصل ہو جائے تو پھر کونسی بات پالوس کی مانیں اور کونسی نہ مانیں اور اگر پالوس کو برطرف کریں تو پھر مسیح اور اس کے حواریین کے کلام میں آپکے کلیسیا کا وجود کہیں نظر نہیں آتا

مصافحہ کے بعد میں تو اُن سے رخصت ہوا لیکن اُسکے بعد نہ میں نے اُنکی طرف سے نہ اُنکے کالج کے پرنسپل کی طرف سے کوئی پیغام سُنا۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ موجودہ مذہب عیسائیت کی بنیاد و عمارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نہیں بلکہ اس کا معمار اوّل یہی پالوس ہے۔ مسئلہ کفارہ۔ گناہ فی فطرت۔ آدم کے ذریعہ کل نسل کا ملعون بن جانا اور اس لعنت سے جناب مسیحؑ کا خلق اللہ کو صلیب کے ذریعہ نجات دلانا یہ سب پالوس کی مخترعات ہیں۔ الوہیت مسیح کا مسئلہ اس کے بعد آیا ہے بلکہ الوہیت مسیحؑ کے متعلق خود پالوس کوئی صاف عقیدہ ظاہر نہیں کرتا۔ گویا جناب مسیحؑ اور اس کے حوارئین اوّل ہیں نہ الوہیت نہ کفارہ کا مسئلہ ہمیں نظر آتا ہے۔ البتہ کفارہ کا مسئلہ مسیحؑ سے پہلے مصریوں میں اور ایسا ہی یونانی رومی اور ہندیوں ہیں قدیم سے جاری تھا۔ دیوتاؤں یا خدا کا انسانوں پر کسی وجہ سے ناراض ہو جانا پھر کسی قربانی پر راضی ہو جانا ایک پُرانی بات تھی۔ پالوس اپنی قوم ہیں حقارت سے دیکھا جاتا تھا۔ خود حوارئین مسیحؑ بھی اسکی بدعات اور اختراعات کے باعث اُسے نظر شبہ سے دیکھتے تھے۔ کتاب اعمال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذیل کی بدعات کے باعث مسیحؑ کے اصلی حواری اس کے خلاف تھے

(۱) غیر اسرائیلیوں کو مذہب مسیحؑ میں شامل کرنا (۲) غیر ذبیحہ اور بتوں پر چڑھائے ہوئے گوشت کو حلال سمجھنا (۳) بروقت مواخذہ جب پالوس کو یقین ہو گیا کہ نہ تو لے بنے نہ بیگانے اسرائیلیوں میں اسکی کوئی عزت ہے

تو اُس نے عیسائی مذہب کو یونانیوں اور رومیوں میں تبلیغ کرنا شروع کیا اور ان کے عقاید کو سامنے رکھکر انکی خاطر جو کچھ عیسائی مذہب میں حرام تھا اُسے حلال کر دیا۔ یونانی رومی بُت پرست تو پہلے ہی کفارہ کے قائل تھے کنواریوں کے بطن سے کئی خدازادے وہاں پیدا ہو چکے تھے۔ الغرض موجودہ عیسائی مذہب کے جو امتیازی نشان ہیں وہ سب کے سب پہلے ہی بُت پرست مذاہب میں موجود تھے۔ پولوس نے صرف اس قدر کیا کہ اسرائیلی روایات کو توڑ موڑ کر یونانی رومی لباس میں پیش کیا۔ سب سے پہلے مسئلہ کفارہ داخل کیا جس نے الوہیت مسیحؑ کی ضرورت پیدا کر دی کیونکہ گنہگار انسان کی نجات کے لئے کوئی معصوم کفارہ ہو۔ تو ہو۔ دوسرا گنہگار انسان کفارہ نہیں ہو سکتا وہ خود اپنے گناہ کے لئے محتاج کفارہ ہے۔ لیکن خدا کے سوا اور کوئی معصوم نہیں اسلئے یہ لازم ہوا کہ کفارہ کے لئے خود خدا آئے اس طرح کفارہ مسیحؑ کا مسئلہ جو پولوس نے اختراع کیا تھا وہ بعد میں مسئلہ الوہیت مسیحؑ کی بنیاد بن گیا۔

اِس ساری بحث سے میرا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی امر میں پولوس کو غلط قرار دیتا ہے تو پھر اُسے یہ حق حاصل نہیں کہ پالوس کی کسی بات کو بلا دلیل مانے جس وقت عیسائی دنیا پالوس پر اس جرح کی اجازت دیگی اُس دن عیسائی مذہب کا خاتمہ ہو جائیگا مشکل تو یہ ہے کہ یہ لوگ پالوس کو بلا دلیل سند لے لیتے ہیں جب وہ بلا دلیل سند نہ رہا تو پھر عیسائی مسائل کا ثبوت امور عقلیہ یا اقوال مسیحؑ پر آ رہے گا

اور یہ دونوں موجودہ عیسائی مذہب کو ثابت نہیں کرتے بلکہ اسکے خلاف ہیں
رائٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے بالقابہ نے اپنے خاندان کی کسی خاتون
کو میرا ایک لیکچر بھیجا۔ بات یہ ہے کہ پالوس نے حقوق نسوان کے خلاف
بہت کچھ لکھا ہے۔ اور عورت کی ذات پر بہت حملے کئے ہیں۔ میرے لکچر
میں پالوس کے کچھ اقوال متعلق نسوان درج تھے جن پر خط کھینچکر لارڈ
موصوف نے وہ لکچر بھیجا تھا۔ اس خاتون نے جو کسیقدر متعصب عیسائی
تھی لکھکر بجواب لارڈ موصوف کو یہ لکھا کہ ہم معاملہ نسوان میں پالوس کی
سند نہیں مانتے۔ اس خاتون کی زندگی میں یہ پہلا دن تھا کہ پالوس اُسکی
نگاہ میں ایک حد تک قابل سند نہ رہا۔ لارڈ موصوف خوب سمجھتا تھا کہ
پالوس کی حیثیت کا کسی عیسائی کی نگاہ میں گھٹنا گویا عیسائی مذہب کی
حیثیت کا گھٹنا ہے۔ آپنے نہایت نرم پیرایہ میں اس بی بی کو دوبارہ
لکھا کہ وہ پالوس کو مقابلہ نسوان پرست نہ ٹھہرانے پر حق بجانب ہے۔
لیکن پالوس کی باقی باتوں کو ہم کیوں مانیں۔ محض اسلئے کہ یہ پالوس لکھتا
ہے۔ اگر وہ حقوق نسوان کی طرح پالوس کی اَور باتیں بھی عقل تسلیم نہ کرے
تو انہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ اس منطق کا خاتون موصوف کے پاس کوئی
جواب نہ تھا پھر کیا تھا پالوس کا بُت گرتے ہی عیسائیت کا بُت بھی
گرنا شروع ہوا۔ کیونکہ جس وقت تم پالوس کو برطرف کرکے مسیح کو سند
پکڑو گے تو پھر نہ الوہیت مسیح نہ کفارہ مسیح نہ مسئلہ گناہ سرشت انسانی کا
کہیں پتہ لگیگا۔ وہ بی بی میرے آنے تک تو مسلمان نہیں ہوئی تھی لیکن

وہ عیسائی بھی اب نہیں رہی۔

میں یہاں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس سوال و جواب[۱] کو بھی یہاں درج کروں جو غالباً اپریل ۱۹۱۷ء میں مسجد ووکنگ میں خطبہ کے بعد مجھ میں اور ایک عیسائی میں ہوئے۔ کیونکہ اُس سے امور بالا پر اور روشنی پڑ جائیگی لیکن اس سے پہلے ایک امر کیطرف میں اس کتاب کے پڑھنے والوں کی توجہ منعطف کرتا ہوں۔ ریورنڈ مارگن نے ہندوستانی دماغ کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ہمنے جو کچھ ہندوستانیوں کے دماغ کے متعلق سُنا ہوا تھا وہ تو آج صحیح نہ نکلا جس پر مینے کہا تھا کہ آپ شاید فارن مشن کی طرف اشارہ کرتے ہیں جسے پادری موصوف نے امر غیر متعلقہ کہکر ٹالدیا میں چاہتا ہوں کہ اس امر پر روشنی ڈالوں۔

یہ جو مشنری لوگ پانی کی طرح روپیہ بہا دیتے ہیں اس روپیہ کے دینے والے چنداں مذہب کے شائق نہیں ہوتے۔ ان مشنوں کی کسی قدر امداد تو پولٹیکل اغراض سے کی جاتی ہے۔ لیکن مغربی ممالک میں ایسے لوگ بھی کثرت سے ہیں جو نسل انسانی کے لئے دل میں درد رکھتے ہیں اُنکے آگے مشرقی لوگوں کی جہالت اُنمیں اصول حفظان صحت کی ناواقفیت اور کمی علم الغرض اس قدر بدنما رنگوں میں ہمارا اور دیگر مشرقی قوموں کا نقشہ ان لوگوں کے آگے کھینچا جاتا ہے کہ وہ نیک نہاد لوگ جوش ہمدردی انسانی میں آکر ہزارہا پونڈ ان مشنوں کے حوالے کر دیتے ہیں تاکہ یہ لوگ یہاں آکر

[۱] دیکھو نوٹ صفحہ ۲۰ ؏

ہمارے لئے مدرسے اور ہسپتال کھولیں۔ یہاں آکر ہمیں یہ سمجھایا جاتا ہے
کہ یہ مدرسے اور ہسپتال ان پادریوں کی نیک نہادی اور فیاضی کا نتیجہ ہے
حالانکہ بات اس کے اُلٹ ہے۔ روپیہ انکو ہسپتال اور سکولوں کے لئے
عموماً ایسے لوگوں سے ملتا ہے جنکو چنداں عیسائیت سے دلچسپی نہیں
لیکن یہ لوگ اس سے اپنا مشن چلاتے ہیں۔ ابتدا ہی میں اتفاقاً یہ
راز مجھ پر کھل گیا۔ شاید مسجد ووکنگ میں یہ تیسرا یا چوتھا خطبہ تھا کہ جب
سامعین کے چلے جانے پر ایک معزز شخص نے خود آکر مجھ سے ملاقات کی
اور ظاہر کیا کہ جس بنک سے میرا تعلق ہے اُس کا وہ مینجر ہے معمولی گفتگو کے
بعد اُس نے اپنے حیرت و استعجاب کا ذکر کیا جو اُسے میرا خطبہ سُننے سے
ہُوا۔ وہ کہنے لگا کہ ہمکو تو آجتک دھوکا ہی رہا ہم سے تو یہ کہہ کر روپیہ
وصول ہوتا ہے کہ ہندوستانی نیم وحشی لوگ ہیں انہیں تہذیب کا نام
تک بھی نہیں جس پر ہم روپیہ دیتے ہیں کہ آپ لوگوں کیلئے مدرسے
کھولے جائیں اور آپ میں کچھ علم کی روشنی پھیلائی جائے۔ لیکن آپکا
خطبہ سُن کر میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ مشنری لوگ اگر آپ ہندوستانیوں
میں جا کر خصوصاً علوم مذہب پڑھیں تو صحیح ہوگا۔ آپ نے آج
خطبہ کے لئے انجیل کی ایک آیت لی۔ لیکن اسی سے مروجہ مذہب
کی بنیاد کو ہلا دیا۔ اور پھر جس قدر انجیل کا علم آپکو معلوم ہوتا ہے ایسی
بابریک نگاہ سے تو ہمارے پادری انجیل کو نہیں پڑھتے ۔۔

بشپ آف مرفی

مقام۔ کیتھڈرل یونیورسٹی کیمبرج

مضمون۔ مذہب حقہ کا امتیازی نشان مسیح کی زندگی میں کسی انسان کے لئے کوئی کافی اور کامل نمونہ نہیں۔

مولوی محمد علی صاحب قصوری بی اے (کینٹب) سنہ ۱۴-۱۹۱۳ء میں کیمبرج میں تعلیم پاتے تھے۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں ایکدن انہوں نے تار کے ذریعہ مجھے بلایا۔ وہاں جانے پر معلوم ہؤا کہ یونیورسٹی کیمبرج ہر سال دو بشپوں کو مذہبی سرمن دینے کے لئے کیمبرج میں بلوایا کرتی ہے۔ اُس سال وہاں بشپ آف کنینگٹن اور بشپ آف مرفی آئے ہوئے ہیں۔

کیتھڈرل (بڑا گرجا) میں بروقت سرمن چند ہندوستانی طلباء کو سامعین میں دیکھکر بشپ آف مرفی نے یہ کہا کہ اگر کوئی عیسائی مذہب کے متعلق کچھ دریافت کرنا چاہے تو وہ خوشی سے وقت دیں گے جسپر مولوی محمد علی صاحب نے خط و کتابت کرکے میرے لئے آن سے ایک گھنٹہ لے لیا۔ میرے پہونچنے پر ہم دونوں چار بجے سہ پہر کو کیتھڈرل میں گئے۔ جہاں ہمیں بشپ مذکور ملے۔ حسب دستور قوم انگریز موسم کے متعلق گفتگو ہونے کے بعد ذیل کے سوال و جواب ہوئے:-

بشپ:- "شاید آپ کچھ عیسائی مذہب کے متعلق دریافت کرنے آئے ہیں"

میں:- "ہاں مجھے مطالعہ مذاہب کا شوق ہے"۔

تشپ "۔ آپنے انجیل تو پڑھی ہوگی"۔

میں "۔ ہاں مینے ایک لوکل مشن کالج میں تعلیم پائی تھی جہاں بائبل ہمارے کورس میں تھی۔ علاوہ ازیں کئی دفعہ چاروں انجیلوں کو مینے پڑھا"۔

تشپ "۔ تو پھر آپنے اِن کتابوں کو کیسا پایا"؟

میں "۔ زیادہ تر اِن میں تاریخی رنگ ہے لیکن میں اب اصل امر کی طرف آتا ہوں۔ دُنیا میں بہت سے اَور مذہب بھی ہیں۔ ہر ایک کسی نہ کسی الہامی کتاب کا مُدعی ہے۔ اخلاقی تعلیمیں بھی ہر جگہ قریب قریب یکساں ہیں نیکی کی تعلیم اور بدی کی مخالفت ہر جگہ موجود ہے اسلئے ایسی تعلیمیں شائد مذاہب کی حیثیت متقابلہ میں فیصلہ کرنیکے لئے ہادی نہ بن سکیں حقیقی مذہب کی شناخت کیلئے کوئی اَور راہ ہونی چاہیئے"۔

تشپ "۔ پھر آپنے کوئی راہ سوچی"؟

میں "۔ انجیل توریت کے پڑھنے سے ایک بات نظر آتی ہے جن خدا رسیدوں کا وہاں ذکر ہے وہ حسب ضرورت جب بھی خدا کو پکارتے خدا کی طرف سے اُنھیں جواب ملتا۔ فرشتے اُنہیں دکھائی دیتے۔ مکاشفات و رویا میں اُنھیں کچھ نہ کچھ نظر آجاتا۔ کیا یہ باتیں آج بھی عیسائیوں کو حاصل ہیں"؟

تشپ (کسیقدر متامل ہوکر) ہاں یہ باتیں توریت میں ہیں لیکن وہ زمانہ کچھ اَور تھا۔ آجکل علم اور سائنس کا زمانہ ہے۔ دلوں میں سادگی نہیں رہی اِس طرف لوگوں کی کم توجہ ہے.........."۔

میں "۔ بے ادبی معاف تو کیا میں یہ سمجھوں کہ وہ زمانہ سادہ لوحوں کا

زمانہ تھا۔ اسلئے یہ باتیں چل جاتی تھیں"۔
بشپ "۔ نہیں یہ میرا مطلب نہیں مگر کسی مذہب کی صداقت پرکھنے کیلئے یہ باتیں چنداں ضروری نہیں۔ ان چیزوں کے بغیر بھی مذہب کی سچائی ثابت ہو سکتی ہے"۔

میں "۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو جناب مسیحؑ کے کُل دعاوی انہیں باتوں سے وابستہ ہیں۔ توریت میں چند پیشینگوئیاں ہیں جن کا مصداق انجیل کے لکھنے والے ابن مریمؑ کو بتلاتے ہیں۔ مثلاً عمانوایل یا خود مسیح والی پیشگوئی ایسا ہی بعض واقعات مندرجہ اناجیل متعلقہ ابن مریمؑ کی بنا پر بعض گزشتہ پیشین گوئیوں کا پورا ہونا مسیحؑ میں بتلایا گیا ہے"۔

بشپ "۔ ہاں یہ صحیح ہے اگر ان پیشگوئیوں کو آپ درست مانتے ہیں۔ تو پھر آپکو مسیحؑ کے قبول کرنے میں کوئی دقت واقع نہیں ہونی چاہیئے"۔

میں "۔ دقت تو آپنے پیدا کردی"۔

بشپ "۔ وہ کس طرح"۔

میں "۔ ان سب پیشنگوئیوں کی بنیاد مکاشفات و الہام ہیں۔ انہیں فرشتوں نے آکر یہ باتیں بیان کی ہیں۔ اب اگر یہ سب کی سب سادہ لوح زمانہ کی تاریخ ہے۔ جب کوئی علم سائنس نہ تھا تو پھر یہ قابل حصر نہیں رہ سکتیں"۔

بشپ۔ بالفرض ایسا ہی سہی تو کیا مسیحؑ اپنی صداقت کیلئے انکا محتاج ہے"۔

میں۔ انکو آپ اناجیل سے نکالدیں تو پھر جناب عیسیٰؑ کی کوئی حیثیت اسرائیلیوں کے سامنے نہیں رہتی جنکی طرف وہ آئے تھے۔ باقی چند

معجزات اور تعلیمی فقرے رہ جاتے ہیں نہیں کوئی خاص خصوصیت نہیں اور الہامی کتابوں میں بھی اور خود توریت میں ایسے معجزات کا پتہ لگتا ہے"۔

بشپ۔ "لیکن خطبہ کوہی کے متعلق بھی آپ ایسا کہہ سکتے ہیں"؟

میں۔ "ہاں یہودی لوگ اسے طالود اور مشنہ (یہودیوں کی دو بڑی کتب فقہ و روایات) سے استخراج شدہ سمجھتے ہیں۔ علاوہ ازیں مینے شروع میں گفتگو کو کسی فیصلہ کُن راہ پر لانے کے لئے عرض کر دیا تھا کہ اچھی بُری تعلیمیں تو ہر جگہ ہر مذہب میں موجود ہیں۔ اب اگر رویا و مکاشفات لائے ہیں تو پھر مسیحؑ کے دعاوی کی بنیاد شاید متزلزل ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں کیا آپ کوئی اور راہ مسیحؑ پر غور کرنیکی بتلا سکتے ہیں"؟

بشپ۔ "کیوں آپ پولوس کو نہیں دیکھتے پولوس ہی کلیسا میں ایک بڑی سند ہے اور اُس کی تحریریں عیسائیت کے ثبوت میں بلند پایہ کی ہیں"۔

میں۔ "لیکن پولوس کے معلّم عیسائیت ہونیکی بنیاد بھی تو وہی سادہ لوحی ہے جس بات نے عیسائی دنیا میں پولوس کو عزّت دی ہے۔ وہ تو محض ایک مکاشفہ ہے جس میں مسیحؑ اُسے نظر آئے اسی مکاشفے کو سُنا کر وہ حواریین میں داخل ہوا۔ اب اگر مکاشفات ایک امر لاشئے ہیں۔ تو پھر پالوس کی حیثیت کوئی نظر نہیں آتی"۔

بشپ (بات کاٹ کر) "ہاں یہ بات درست ہے لیکن اس کے سوا بھی میں نے مسیحؑ کو اپنے لئے ایک بڑی طاقت پاتا ہے وہ ہر وقت میرے ساتھ ہے اور قدم قدم پر میرا رہنما ہو جاتا ہے"۔

اسی قسم کے بے معنی فقرات ہندوستان میں بھی پادریوں کی زبان پر آ جایا کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ باتیں دوسروں کے نزدیک بیہودہ گوئی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں"۔

مَیں "(حیرت سے) تو کیا آپ بھی صاحبِ مکاشفات ہیں یعنی مسیحؑ آپکے ساتھ رہتے ہیں۔ مَیں نے تو سمجھا تھا کہ آپ ان باتوں کے قائل نہیں"۔

بشپ۔ نہیں نہیں آپنے میری بات نہیں سمجھی مسیحؑ کی زندگی میری ہادی و رہنما ہے۔ ہر ایک وقت اور خصوصاً تاریکی کے وقت اُسکے واقعات زندگی میں مَیں اپنے لئے ایک روشنی پاتا ہوں"۔

مَیں "خوب میرے نزدیک بھی کسی انسان کے ہادی کامل ہونیکا یہ ایک معیار ہے لیکن بدقسمتی سے مینے اپنے حالات کے مطابق جناب عیسیٰؑ کو ایسا نہیں پایا۔ مجھے معاف فرمادیں۔ اگر میں آپ سے ایک بات پوچھوں آپ غالباً متاہل ہوں گے آپکے بچے بھی ہوں گے۔ بہر حال مَیں صاحبِ عیال ہوں اس مُلک کے لاکھوں گھر صحیح اخلاق منزلیہ (خانگی معاشرت) کے نہ برتنے سے نمونہ دوزخ بن رہے ہیں۔ ہر ہفتہ بیسیوں طلاق ہوتے ہیں مَیں اسے نسل انسانی کی بدقسمتی سمجھتا ہوں کہ جناب عیسیٰؑ صاحبِ عیال نہ تھے جب صورت یہ ہے تو پھر ان امور میں وہ ہمارے کیسے ہادی ہو سکتے ہیں"۔

بشپ "مسیحؑ کے حواریین نے جو شادی کی تھی"۔

مَیں "وہ تو شاید ہادی نہیں ہو سکتے۔ انکے مقابل تو بہتر ہے کہ مَیں کسی

بزرگ پادری کی پیروی کروں"۔

بشپ۔ "نہیں وہ تو مسیح کے ساتھی تھے انکا نمونہ اچھا ہو گا"۔

میں۔ "آپکو غالباً علم ہو گا کہ وہ بہت موٹی عقل کے آدمی تھے۔ خود جناب مسیح اُن کے نقص فہم کے شاکی تھے۔ علاوہ ازیں بائبل سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ خانگی معاشرت میں جو ان لوگوں نے اخلاق برتے ہوں گے وہ کب اور کس جگہ جناب مسیح نے اُنہیں تعلیم کئے۔ مگر تاریخ تو ان معاملات میں بھی خاموش ہے"۔

بشپ۔ "خیر خداوند مسیح بہت باتوں میں رہنما ہو سکتا ہے"۔

میں۔ "مجھے آپ کے ساتھ اتفاق کرنے میں کچھ ابھی تامل ہے۔ انسانی زندگی کے مختلف شعبے ہیں۔ کوئی جج۔ کوئی وکیل کوئی مقنن۔ کوئی سالار فوج وغیرہ وغیرہ۔ پھر لوگوں کے مختلف پیشے ہوتے ہیں جنمیں وہ مختلف طور پر معاملات کرتے ہیں۔ میں کہاں تک انسانی مصروفیات کی شاخیں آپ کے سامنے گنوں۔ کس میں آپ مسیح کا نمونہ بطور ہدایت پیش کریں گے۔ تاریخ نے تو کچھ بھی ہمیں نہیں دیا۔ مسیح کے حالات بہت کچھ روشنی میں نہیں۔ نہ تاریخ نے محفوظ کئے۔ یہ نسل انسانی کی بہت بد قسمتی ہے ممکن ہے۔ بصورت دیگر مسیح ہمارے لئے کامل نمونہ اور ہادی ہوتے"۔

بشپ۔ "میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھے کہیں اور اس وقت جانا ہے۔ میں زیادہ وقت آپکو نہیں دے سکتا۔ آپ مجھے معاف فرماویں"۔

میں۔ "ابھی تو بیس پچیس منٹ گذرے ہیں اور آپنے تو پورا گھنٹہ میری خاطر الگ کر رکھا تھا۔ آپ کے کلارک نے مسٹر محمد علی کو بھی کہا تھا"۔
بشپ۔ "لیکن مینے بعد میں مجبوراً ایک اَور امر ذمہ لے لیا تھا"۔
میں۔ "مَیں تو لنڈن سے آپکے کہنے پر آیا ہوں آپ سے کچھ سیکھنے کا مَیں زیادہ مستحق ہوں۔ آپ دو تین دن غالباً یہاں ہونگے۔ آپ کل پرسوں مجھے کوئی اَور وقت دیدیں"۔
بشپ۔ "افسوس ہے کہ مَیں ایسا نہیں کرسکتا میرے کل اوقات مصروف شدہ ہیں"۔
میں۔ "یہ درست ہے لیکن اگر آپ اجازت دیں تو مَیں آپکے شہر میں آسکتا ہوں۔ کیونکہ مَیں مذہبی باتوں سے خاص دلچسپی رکھتا ہوں"۔
بشپ۔ "آپکو تکلیف ہوگی علاوہ ازیں مَیں اکثر دوروں میں رہتا ہوں یہ کہہ کر خود ہی بشپ صاحب نے رخصت ہونے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور مصافحہ کرکے گرجا کے کسی بازو کے کمرہ میں چلے گئے"۔

ووکنگ کا ایک نیم پادری جنٹلمین

مقام۔ مسجد ووکنگ۔

مضمون۔ کفارہ مسیحؑ۔ مسیحؑ کے اِن کلمات کی اصلی تشریح کہ میرے خون اور گوشت سے عہد جدید قایم ہوا۔ اس سے کفارہ مراد نہیں بلکہ شہادت صداقت مراد ہے۔

مغربی ممالک میں دو قسم کے لوگ پادریوں کا کام کرتے ہیں۔ ایک وہ جو باضابطہ امتحان دیکر پادری کا پیشہ اختیار کرتے ہیں۔ دوسرے جو مذہبی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور پادری کی نیابت میں گرجا کراتے ہیں۔ اس قسم کے چند شرفا ووکنگ میں بھی رہتے ہیں۔ اُنہوں نے ہمارے مقابل مختلف پادریوں کو بُلوایا۔ اور ووکنگ میں اسلام کے خلاف لیکچر بھی دلوائے۔ لیکن ان کے حسب دلخواہ نتیجہ مرتب نہ ہونے پر اُنہوں نے آخری یہ تجویز کی کہ کسی مُسلمان مُرتد کو لیکر وہ مسجد میں آئیں اور ہم پر اعتراض کرکے سامعین کو برگشتہ کریں۔ ہم نے اپنی مسجد میں یہ طریق رکھا ہُوا ہے۔ کہ خطبہ کے بعد اگر حاضرین میں سے کوئی مضمون خطبہ کے متعلق کچھ مزید دریافت کرنا چاہے یا اُسے کوئی اعتراض ہو تو کرے۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں جب میں ہندوستان میں تھا یہ لوگ علی دانیال ایک لودھیانوی مُرتد کو ہمراہ لے کر کسی اتوار کو مسجد میں آگئے اور جب سوالات کا موقعہ دیا گیا تو علی دانیال نے کھڑے ہوکر ہندوستانی پادریوں کی طرح یکدم پانچ چھ گندے اعتراض کر دیئے اُن سوالات کو نہ تو اُس دن کے خطبہ سے کچھ تعلق تھا اور نہ وہ کسی نیک نیتی سے کئے گئے تھے پھر مشکل یہ پڑی ہے کہ اعتراض تو ایک منٹ کا ہوتا ہے اور اس کے جواب میں بیسیوں منٹ خرچ ہو جاتے ہیں چنانچہ اس دن کے خطیب نے ابھی ایک دو اعتراضوں کا جواب دیا تھا کہ وقت تنگ ہو گیا۔ علی دانیال کا گروہ فتح مناتا ہُوا چلا گیا اور اسکے متعلق اُلٹی سیدھی خبریں بھی شایع کیں۔ اسپر ایک سال گذرا ہوگا کہ پھر وہاں کے

ہم پادریوں نے علی دانیال کو عین اُس وقت بُلایا۔ جب مَیں اپریل ۱۹۱۷ء میں ایک لمبی بیماری سے اُٹھا تھا اور ابھی گھر سے باہر نکلنے کی ہمّت بھی نہ تھی کہ ایک اتوار کے دن مجھے کوئی ڈیڑھ دو بجے اطلاع ہوئی کہ وہ لوگ آج اعتراض کرنے آئیں گے۔ خطبہ کا اعلان شدہ مضمون کفارہ مسیحؑ تھا چنانچہ جب ہم وقت مقررہ پر مسجد میں گئے اور ابھی اُس دن کے خطیب نے سرمن دینا شروع ہی کیا تھا کہ کوئی بیس ایک آدمی علی دانیال کو ہمراہ لیکر آگئے۔ اُسکو دیکھکر میں نے پہچان لیا کہ اس شخص نے جون ۱۹۱۴ء میں مقام اڈنبرا (سکاٹ لینڈ) مجھ سے مسئلہ گناہ پر گفتگو کی تھی۔ یہ لوگ بیٹھ گئے۔ خطبہ کے بعد حاضرین میں ہمارے دوست شیخ سلمان شیخ نومسلم موجود تھے۔ میرے کہنے پر شیخ موصوف نے اسی مضمون کفارہ پر کچھ ریمارکس کیے۔ اُنہوں نے اپنے دوران بیان میں خاصکر اس بات پر زور دیا کہ موجودہ مذہب عیسویت کے اصول جناب مسیحؑ کی تعلیم زادہ نہیں چنانچہ مسیحؑ کے کسی لفظ سے یہ اشارہ نہیں نکلتا کہ وہ دنیا میں کفارہ کے لئے آیا تھا نہ اس نے کہیں یہ کہا کہ انسان کی نجات کے لئے کسی قسم کے کفارہ کی ضرورت ہے وہ یہ بیان کرکے بیٹھ گئے۔ اب سوالوں کا وقت آیا اور میں نے علی دانیال کے چہرہ کی طرف دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے سینہ میں بہت باتیں جوش مار رہی ہیں جن کے اُگلنے کے لئے اس کے چہرہ پر بےچینی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ بلکہ اس نے اُٹھنے کے لئے حرکت بھی کی اور میں اُٹھ کھڑا ہوا اور منبر کے قریب آکر ذیل کے الفاظ کہنے

صاحبان۔ ہماری مسجد میں خطبے کے بعد سوالات کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ یہ گرجوں میں تو دستور نہیں لیکن ہمنے یہ کوئی بدعت شروع نہیں کی۔ تم نے انجیل میں پڑھا ہوگا کہ جناب مسیحؑ اپنے وعظ کے بعد شاگردوں کو مزید استفسار کا موقعہ دیتے تھے۔ بدقسمتی سے اُنھیں جو شاگرد ملے تھے وہ نہایت کودن و کم عقل لوگ تھے۔ آخر دھوبی ماہی گیر اور ٹولئے ہی تھے اُن سے عقل کی بات سمجھنے کی کوئی توقع ہی کیا رکھ سکتا تھا۔ خود جناب مسیحؑ کو بھی ان کے نقص فہم پر شکایت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جناب مسیحؑ ہمیشہ مثال دیکر گفتگو کیا کرتے تھے۔ اور اکثر شاگردوں کو موقع دیدیتے تھے کہ وہ ان کے وعظ سمجھنے کے لئے کوئی سوال کریں۔ ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ تو بہت زیرک اور ہوشمند تھے۔ لیکن آپ بھی سوال سُننے اور جواب دیتے۔ ہم لوگ جو ان دو مذاہب کے پلیٹ فارم پر آکر کچھ بیان کرتے ہیں تو دراصل ہماری حیثیت ان بزرگ انسانوں کی نیابت کی ہے۔ ہم منبر پر کسی لکچر بازی کے لئے نہیں آتے۔ نہ تمہاری تفریح طبع کے لئے یہاں جمع ہوتے ہیں۔ ہم تمہیں علم اور عرفان سکھلانے آتے ہیں۔ ہماری تمہاری حیثیت ایک اُستاد اور شاگرد کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمنے ہمیشہ مسیحؑ کی طرح سامعین کو سوال کرنیکا موقع دیا لیکن سوال اسی امر پر ہونا چاہیئے جسکا آج سرمن میں سبق دیا گیا۔ یہی طریق مسیحؑ کا تھا۔ ہم اسلام پر اور اسکے بعد نفس مذہب پر ہر سوال کے جواب کیلئے تیار ہیں لیکن کسی سرمن کے بعد اگر ان سوالات کی اجازت دیں

تو صل مقصد غائب ہو جاتا ہے۔ اور مضمون زیر بحث پر اگر کسی کو کوئی شبہ ہو تو اس کے دفع کرنیکا موقع نہیں ملتا۔ آج ہمارے خطیب نے مضمون کفارہ پر اسلامی نکتۂ خیال سے ہم سب کو ایک سبق دیا۔ قرآن اس مسئلہ کو غلط ٹھیراتا ہے۔ جیسا کہ ہمنے سُنا۔ اب میں آپکو اجازت دیتا ہوں کہ آپ اس مضمون پر جو چاہیں سوال کریں میں دونوں کی طرف سے جواب دونگا۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں حاضرین میں سے کسی کے اور اعتراض کا جواب دینے کے لئے تیار نہیں لیکن یہ مسجد ہے۔ یہ خدا کا گھر ہے۔ کوئی کلب یا بحث کا مقام نہیں۔ اور آپ لوگوں پر اس مقام کا احترام اگر زیادہ نہیں تو اتنا ضرور ہے جتنا کسی گرجے کا آپکے دل میں ہے۔ ایسے اعتراضات وسوالات کے لئے ہر وقت میں تیار ہوں انکے لئے میرا دفتر آپکی خاطر کھلا ہے یا اگر آپکو پسند ہو تو اپنے ہاں مجھے بلوائیے یا پبلک جگہ سوال جواب کے لئے مقرر کیجئے۔ یہ مسجد سرمن کے بعد صرف انہی استفسارات کے لئے ہے جو سرمن سے پیدا ہوں۔ اب میں صلائے عام دیتا ہوں آج کے مضمون پر جو چاہے سوال کرے۔"

خدا کی شان وہی مُرتد جو کچھ منٹ پہلے زہر اُگلنے کے لئے بیچین ہو رہا تھا اور دوران خطبہ میں منٹ بہ منٹ اضطرار اً پہلو بدلتا تھا اب گویا وہاں تھا ہی نہیں در اصل اس کا خزانہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ تو اسلئے آیا تھا کہ کھڑے ہو کر پانچ چار باتیں کہدے۔ اس طرح جواب دینے والا جواب نہ دے سکے یہ عجائب ہے دیکھکر اُس نے سر نیچا کر لیا۔ اس کے ساتھی دو تین منٹ

تک برابر اسکی طرف اضطراب سے دیکھتے رہے۔ لیکن اسکی نگاہ اس کے پاؤں پر دوختہ تھی نہ اُس نے کسی کی طرف دیکھا اور نہ کسی کی مُستفسر نگاہ کا جواب دیا۔ آخر اس کے ہمراہیوں میں سے درمیانی عمر کا ایک جنٹلمین اُٹھا اور یُوں کہنے لگا:۔

جنٹلمین۔ "مجھے صرف دوسرے سپیکر کے بعض بیانات پر کچھ اعتراض ہیں۔ اُنہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ مسیحؑ نے کسی جگہ کفارہ کی تعلیم نہیں دی۔ نہ چاروں انجیلوں میں کہیں کفارہ کا اشارہ ملتا ہے۔ یہ بیان انکا صحیح نہیں مسیحؑ نے اپنے کفارہ کا ذکر کیا ہے۔ اور مَیں کہہ سکتا ہوں کہ حاضرین میں سے تین چوتھائی میں سے زیادہ ایسے اصحاب ہوں گے جن کو میرے اس کہنے پر کفارہ کے متعلق آیات یاد آگئی ہونگی۔ اُنہوں نے عمر بھر میں کئی دفعہ ان آیات کو پڑھا ہوگا۔ ...."

مَیں۔ مجھے بھی یاد آگئی ہیں۔ آپ ذرا ایک لمحہ کیلئے صبر کریں۔ آپکی مراد مسیحؑ کی آخری عید فسح کا واقعہ ہے جب اُس نے روٹی توڑی اور کہا یہ روٹی نہیں۔ میرا گوشت ہے۔ شراب میں میرا خون ہے۔ جسکی بناء پر آپ کے ہاں عشائے ربانی ہوتی ہے"۔

جنٹلمین۔ "ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں"۔

مَیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہم نہ صرف انجیل سے ہی واقف ہیں بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ لوگ کس آیت سے کیا استدلال صحیح یا غلط کیا

کرتے ہیں میں اس آیت کے صحیح معنی آپکو سمجھا دیتا ہوں۔ لیکن آپ مجھے بتلائیں کہ اس کے سوا اور بھی کوئی آیت ایسی ہے جو تعلیم کفارہ کرتی ہے"۔

جواب نفی میں تھا جس پر میں نے ذیل کی تقریر کی۔

مسیح کے ان الفاظ مندرجہ انجیل متی پر کچھ روشنی ڈالنے سے پہلے میں آپکو تفسیر و معنی کرنے کے چند کلیے بتاتا ہوں۔ (۱) پہلے لغت سے امداد لو (۲) اس زبان کے محاوروں سے امداد لو (۳) خصوصاً جب کبھی متکلم کے الفاظ کے معنے کرنے میں تنازعہ ہو یا اس کے کلام کے دو مختلف معنے لئے جاتے ہوں تو متنازعہ فیہ کلام کے معنے ہمیشہ اس کے دوسرے افعال و اقوال کی روشنی میں کرنے چاہئیں یہاں یہ الفاظ مسیح مندرجہ متی (باب ۲۴۔ آیت ۲۶ و ۲۷ و ۲۸) متنازعہ فیہ ہیں۔ آپ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مسیح کے صلیب پانے سے ہمارے گناہ دھل جاتے ہیں۔ اور ہمیں کسی عمل کی بھی ضرورت نہیں ہم مشرقی لوگ ان الفاظ کے کچھ اور معنی کرتے ہیں۔ اب اس تنازعہ کے رفع کے لئے پہلا اصول یعنی حوالہ لغت ہمیں مفید نہیں۔ کیونکہ ہمیں یہ بھی علم نہیں کہ مسیح کی مادری زبان کون سی تھی۔ یا وہ کس زبان میں گفتگو کیا کرتا تھا۔ اِس لئے ہم وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اسکی منشاء ان الفاظ سے کیا ہوگی جو اس نے بولے۔ یہ مصیبت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب متکلم اپنے خیال کے اظہار کیلئے اپنی

زبان کا کوئی خاص محاورہ بولے۔ ایسے وقت میں لفظی معنے بھی لینے جائز نہیں ہو

سب سے اوّل یہ دیکھنا ہے کہ آیا اس کلام زیر بحث سے پہلے مسیحؑ کے دیگر اقوال و افعال تو ان معانی کے خلاف نہیں جو آپ لے رہے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو وہ معنے لینے جائز نہیں کیونکہ اس سے ایک عظیم الشان انسان متناقض الاقوال اور متضاد الحال انسان ہو جاتا ہے۔ مغربی کلیسیا جو الفاظ زیر بحث کے معنی کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں سزائے گناہ سے نجات دینے کے لئے مسیحؑ کا خون بہایا گیا یعنی ہماری نجات کیلئے ہمارے اعمال کام نہیں دیتے۔ بلکہ مسیحؑ کا خون کام دیتا ہے لیکن اس موقعہ سے پہلے بھی مسیحؑ سے نجات کا راستہ تلاش کرنے کے لئے لوگ آئے۔ اس نے خود بھی لوگوں کو نجات کا راستہ بتلایا۔ مگر ان سب مقامات پر وہ کفارہ کے اُلٹ ہی کہتا ہے کفارہ سے مراد کلیسیہ کی تو یہ ہے کہ نجات کے لئے اب عمل کی ضرورت نہیں وہ پرانا عہد تھا۔ عہد جدید کی رُو سے مسیحؑ کے خون پر ایمان لانا کافی ہے یعنی شریعت پر چلنے کی اب حاجت نہیں۔ ہمیں اب یہ دیکھنا ہے کہ اس معاملہ میں مدت العمر مسیحؑ کا کیا طریق رہا۔ سب سے پہلے اس کا پہاڑی خطبہ دیکھ لو۔ وہ کہتا ہے میں شریعت توڑنے نہیں آیا۔ وہ کہتا ہے میں شریعت کی اطاعت کرنے آیا ہوں وہ کہتا زمین و آسمان ٹل جائے لیکن شریعت پر عمل نہیں ٹل سکتا یہی بات

آیات ۱۷،۱۸ و ۱۹) وہ کہتا ہے کہ شریعت پر چلنے ہی سے ایک شخص بہشت میں داخل ہو سکتا ہے۔ پھر وہ شاگردوں کو زور دیکر کہتا ہے کہ جب تک اُن کے اعمال فریسی فقیہوں سے بہتر نہ ہونگے وہ بہشت میں داخل نہ ہو سکیں گے یہ وہ خطبہ کوہ ہے جس پر ایک طرف تو عیسائی دُنیا کو ناز ہے اور دوسری طرف کفارہ پر ایمان لاکر اس تعلیم کے لفظ لفظ کا ابطال کیا جاتا ہے۔ اگر الفاظ متنازعہ فیہ کے وہ معنے لیئے جائیں جو آپ لیتے ہیں یعنی مسیحؑ نے ہمیں بذریعہ عہد نامہ جدید شریعت عمل سے نجات دلادی تو گویا اس نے شریعت کو توڑا۔ شریعت کی اطاعت سے لوگوں کو روکا۔ زمین و آسمان تو نہ ٹلے لیکن شریعت ٹل گئی۔ الفاظ متنازعہ فیہ بولنے سے کچھ دو سال پہلے وہ شریعت پر مدار نجات ٹھہراتا تھا۔ آج اس کے اُلٹ کہہ رہا ہے۔ وہ تو شاگردو کو کہتا ہے کہ جب تک فریسی فقیہوں سے تمہاری راستبازی نہ بڑھ جائے تم بہشت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ فقیہی فریسی تو کفارہ کے قائل نہ تھے پھر اعمال کے سوا اور کونسی راستبازی ہے جسمیں فریسیوں سے سبقت لے جانے کے لئے مسیحؑ شاگردوں کو تاکید کر رہا ہے چنانچہ اسی خطبہ میں آگے چلکر طریق سبقت بھی بتلاتا ہے وہ کہتا ہے کہ تمکو دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ لینے کے لئے کہا گیا ہے۔ میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو تمہارے ایک گال پر وہ تھپڑ مارے تو دوسری گال اس کے آگے کر دو۔ اب یہ تعلیم شریعت

کی ٹھہری ہے یا تعلیم کفارہ اس نے تو عہد نامہ قدیم کی تعلیم کو اور بھی مشکل کر دیا ہے۔ اگر کوئی مفروضہ عہد نیا ہونیوالا تھا کہ عنقریب تمہیں میرا خون شریعت سے نجات دیدیگا۔ تو وہ یہ کہتا۔ کہ عنقریب تم کو شریعت سے نجات حاصل ہو گی۔ اسی طرح جب ایک نوجوان اُس سے نجات کا راستہ پوچھنے آتا ہے تو اُسے وہ یہ تو نہیں کہتا ہے کہ شریعت لعنت ہے اس پر چلنے سے کوئی فائدہ نہیں صحیح علاج کفارۂ مسیح ہے تو اُسے پُرانی کہانی سُناتا ہے جاؤ شریعت پر عمل کرو شریعت کا فلاں فلاں حکم بجا لاؤ۔ اور جب وہ نوجوان کہتا ہے کہ مَیں شریعت پر عمل کر چکا ہوں تو پھر بھی اسے شریعت کا ایک بھاری کام بتلاتا ہے یعنی کل جائداد بیچکر خدا کے نام دیدو اسی طرح وہ شاگردوں کو بھی بار بار شریعت پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے کہ تم اسرائیلی فقیہوں کے پاس جاؤ انکی زندگی کی پیروی نہ کرو بلکہ اُنکی تعلیم پر عمل کرو اور یہ بات مسلّم ہے کہ وہ لوگ معلم شریعت تھے نہ کہ معلم کفارہ الغرض صلیب تک پہنچنے کے وقت تک جناب مسیحؑ خود شریعت پر عمل کرتے رہے اور کراتے رہے۔ پھر اگر الفاظ زیر بحث کے معنی تعلیم کفارہ لئے جائیں تو مسیحؑ کے مواعظ میں یہ وہ تناقض ہے جو پیغمبر چھوڑ ایک معمولی حیثیت کے معلم کو بھی ہماری نگاہ سے گرا دیتا ہے انکا رتبہ تو آپ پیغمبروں سے بھی زیادہ بناتے ہیں۔ اگر ان کے الفاظ اتفاقاً کہیں ایسے ہیں جو بظاہر انکی گزشتہ تعلیم پر پانی

پھیرتے ہیں تو تم ان الفاظ کے کوئی اور معنی لو جس سے یہ نتیجہ نہ نکلے حالانکہ الفاظ زیر بحث ہیں یہ وقت بھی نہیں مصیبت یہ پڑی ہوئی ہے کہ مسیح اپنی زبان کے محاورے بول رہا ہے تم اس کے لفظی معنے لے رہے ہو۔ مثلاً ہماری ہندوستانی زبان میں اوسان خطا ہونیکا مفہوم ظاہر کرنے کے لئے ایک محاورہ بولا جاتا ہے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اگر اس محاورہ کے لفظی معنی کر دیئے جائیں تو تمہارے نزدیک شاید ایک داستان بن جائے۔ کیونکہ ہاتھوں کے طوطے نہیں ہوا کرتے۔ بات یہ ہے کہ مغربی دماغ بہت ہی سطحی واقع ہوا ہے وہ کسی چیز کی تہ تک نہیں جا سکتا۔ ہم مشرقی لوگ عموماً تشبیہات اور استعارات میں گفتگو کرتے ہیں اور مغربی دماغ زبان کے ان لطائف سے ناواقف ہے۔ میں مشرقی ہوں اور ایسے ہی مسیح علیہ السلام مشرقی تھے ہم دونوں کا دماغ ایک طرز کا واقع ہوا ہے۔ اسلئے مسیح کا کلام سمجھنے کا حق ہمیں حاصل ہے مغربی دنیا اس قابل نہیں کہ مسیح کے محاورات کو سمجھے تم میرے پاس آؤ اور میرے قدموں میں بیٹھو میں تمہیں سمجھاؤں گا کہ مسیح کی منشاء کیا ہے۔

جب ہم کسی کام کے لئے سخت محنت شاقہ کریں یا کسی کام کے کرنے میں ہماری جان تک خطرہ میں پڑ جائے تو ہم کہا کرتے ہیں کہ ہمنے جان کھو کر یہ کام کیا ہے میں اس سے بھی اور نزدیک آجاتا ہوں مثلاً ایک شخص مر گیا پیچھے ایک بیوہ اور چند نابالغ بچے چھوڑ گیا وہ بیوہ

نہایت محنت شاقہ کرتی ہے رات دن مرتی ہے ایک دم آرام نہیں کرتی۔ اب اگر ان بچوں کے پرورش پا جانے پر وہ کسی ناواقف کو صرف اسی قدر کہدے کہ میں نے ان بچوں کو اپنا جسم کھلا کر اور اپنا خون پلا کر پرورش کیا ہے تو مغربی دنیا یہ فقرہ سنکر جو مرضی ہے معنی لے لیکن مشرقی دماغ آن واحد میں یہ سمجھ لیگا کہ اس عورت نے نہایت محنت سے ان بچوں کو پالا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھیگا کہ یہ عورت ہر روز اپنے جسم سے گوشت کاٹ لیتی تھی۔ اور کچھ خون نکال لیتی تھی جس پر بچوں کی پرورش ہوتی تھی اور پھر کسی معجزہ سے اس کا جسم درست ہوتا تھا۔

مسیح نے بھی ٹھیک یہی محاورہ بولا وہ جس وقت آتا ہے اسرائیلی قوم مغز شریعت سے ناواقف ہوتی ہے۔ جن رسمی باتوں کی ادائیگی پر یہودی نجات سمجھتے تھے وہ مسیحؑ کے نزدیک درست نہ تھی۔ وہ انہیں حقیقت شریعت سمجھاتا ہے وہ انہیں نجات کے نئے رستے بتلاتا ہے یہی وہ نیا عہد نامہ ہے جسکی طرف مسیحؑ اشارہ کر رہا ہے۔ اس نئی تعلیم کی ترویج سے خلق اللہ کی نجات تھی جسکے وعظ کرنے پر فریسی فقیہی اس کے دشمن ہو گئے۔ اور اسکی جان کے درپے ہو گئے۔ اس نئی تعلیم کی دن بدن مخالفت بڑھتی گئی حتیٰ کہ اس کے دشمنوں نے اسکی گرفتاری کی تجویز کی وہ کئی دن چھپتا پھرا لیکن یہودا اسکریوطی نے اسکی آخری چھپنے کی جگہ سے دشمنوں کو اطلاع دیدی مسیحؑ کو یہ سب معلوم

ہوگیا۔ اُسے پتہ لگ گیا کہ اگلی صبح کو وہ گرفتار کیا جائیگا۔ اب یہ سب کی سب مصیبت اُس پر اسی نئی تعلیم کی طفیل آئی جو اُس نے اپنے شاگردوں کو کی اسلئے وہ اُن کو کہتا ہے کہ مَیں اب تم میں سے ایک شاگرد کے دغا دینے سے پکڑا جاتا ہوں۔ اور اب اگر میرا خون لیا جائے یا میرا جسم کاٹا جائے تو اسی نئی تعلیم روحانیت کے باعث ہے جو مَینے تمکو دی۔ مَیں کل گرفتار ہونیکو ہوں تم جو آج عید فسح منا رہے ہو جسمیں شراب اور روٹی کاٹی گئی ہے۔ تم یہ شراب نہیں پیتے ہو بلکہ میرا خون پیتے ہو اور تم یہ روٹی نہیں کھاتے ہو۔ بلکہ میرا گوشت کھاتے ہو اور یہ سب اسلئے کہ مَیں نے تمہیں نئی تعلیم دی جس پر چلکر تمہارے گناہ تم سے دُور ہو جائیں گے۔ مسیح کے الفاظ کا یہی مطلب ہے جس کا سمجھنا ایک مشرقی دماغ کے لئے کوئی مشکل امر نہیں۔ ہم تو ہر ایسے معاملے میں جسکی انجام دہی جانفروشی چاہتی ہو یہی خون اور گوشت کا استعارہ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً یہ جو جنگ عظیم ہورہی ہے بالفرض برٹش سپاہی فتحمند ہو کر واپس آئیں انمیں سیکڑوں ایسے ہوں گے جو زخمی ہوئے جن کے جسم سے خون نکلا جن کے بعض اعضا ہمیشہ کیلئے ضایع ہو گئے۔ اب اگر وہ یہ آکر کہیں کہ تم لوگوں کو ہمارے خون اور گوشت نے بچایا یہ جو تم بعد از فتح امن کی روٹی کھا رہے ہو۔ ایسا ہی آج جو فتح کی خوشی مَیں شراب پی رہے ہو یہ درصل ہمارا خون پی رہے ہو۔ پرانا دور دورِ شخصیت ختم ہوا اب نیا دور جمہوریت آنیوالا ہے۔ یہہ ہمارا خون اور گوشت ہی اس نئے دور کو لایا ۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جو تمثیل میں نے آپکو دی کیا مسیحؑ کے
واقعہ کی تشریح نہیں کرتی۔ اگر جنگ سے واپس آیا ہوا کوئی سپاہی
فقرات بیان کردہ دھرائے تو یہ وہی فقرے ہیں جو مسیحؑ نے کہے۔
پھر تم کیوں سپاہی کے فقرات کے کچھ اور معنے لو اور مسیحؑ کے فقرات کے
کچھ اور لو مسیحؑ ہی دُنیا میں صداقت کا شہید نہیں ہُوا۔ ہر ایک قوم و ملک
میں قتیل صداقت موجود ہیں۔ یونان میں سقراط ہی ایک شہید صداقت
موجود ہے۔ یہ جمہوریت جس پر آج مغرب کو ناز ہے اسکو دنیا میں سب سے
اوّل اسلام ہی لایا اور اسکا پہلا شہید ہمارے نبی کریمؐ کا نواسا امام حسینؓ
تھا۔ دُنیا میں صداقت کا قائم کرنا قربانی چاہتا ہے صداقت کا درخت
صلحاء کے خون سے ہی ہمیشہ سینچا گیا۔ نیکوں کے خون سے ہی ظلمت کے
پُرانے عہد ختم ہو کر راستبازی کے نئے عہد دُنیا میں قائم ہوتے ہیں۔
اسی طرح مسیحؑ نے اپنے خون سے اس مذہب کو ختم کرنا چاہا جو مجموعہ رسمیات
تھا اور اُس کی جگہ صحیح راستبازی کا راستہ دکھایا۔ ان معنوں میں ان
صلحاء کے خون ایک طرح کے کفارہ بھی ہوتے ہیں نہ اس طرح جیسے تم سمجھتے ہو
نئی تعلیم کا قائم کرنا گویا نیا طریق نجات سکھلانا ہوتا ہے۔ اب اگر اس
امر کے قایم کرنے میں کسی معلم کی جان چلی جائے تو استعارتاً ہم مشرقی یہ
کہیں گے کہ فلاں معلم کے خون سے نیا طریق نجات دُنیا کو ملا جس سے
مُراد ہے کہ دُنیا اس معلم کی تعلیم پر نجات پائے گی۔ اس سے اگر مغربی
دماغ یہ معنی کرلیں کہ اس کے خون پر ایمان لانے سے ہی نجات ہو گئی تو

یہ خوش فہمی ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں اب تم نے مسیحؑ کے الفاظ کے اصل معنے سمجھ لئے ہوں گے۔ اگر ہمارے سپیکر مسٹر چارلس شلیچ نے یہ کہا کہ مسیح علیہ السلام نے کہیں کفارہ کی تعلیم نہیں دی تو صحیح کہا"

جلسہ برخاست ہوا۔ اس کے بعد گزشتہ چار سال میں ہمارے دوکنگ کے ان دوستوں نے مسجد کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ ہاں وہ اور کوششوں پر اتر آئے۔ اتوار کے دن انکا کوئی آدمی سڑک پر کھڑا ہو جاتا ہے یا کبھی کبھی شریک جلسہ ہو جاتا اور جو نئے آدمی سامعین میں ہوتے انکا پتہ دریافت کر لیتا پھر ہمارے مذکورہ بالا دوست مسجد کے ان نوواردوں کے گھروں میں جاتے ہیں یا انکو مسجد میں پھر دوبارہ آنے سے روکنے کے وسائل استعمال کرتے ہیں ۔

ہم تو پھر بھی ان لوگوں کی تہذیب کی داد دیتے ہیں۔ انکے شریفانہ برتاؤ کے مداح ہیں۔ اگر ہمارا مشن ہندوستان میں ہوتا اور ہمارے ہندی بھائیوں کو وہی کچھ کرنا منظور ہوتا جو ان اصحاب ووکنگ کی منشا تھی تو پھر شاید ہندیوں کا برتاؤ کچھ اور ہوتا۔ اس سے ہندوستانیوں کو سبق لینا چاہیئے کہ انگریز قوم کی تہذیب کہاں تک بڑھی ہوئی ہے جو ان معاملات میں شرافت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ۔

انڈیا کونسل کا ایک ممبر

مضمون۔ قرآنی احکامات سزائے سرقہ چور کا ہاتھ کاٹنا صحیح سزا ہے

غرض و غائت سزا۔ سرقہ مقرر کردہ قرآن سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ فلسفہ تعزیر وغیرہ وغیرہ۔

مقام۔ وائٹ ہال انڈیا آفس کا ایک کمرہ۔ لنڈن۔

انڈیا کونسل کے بعض ممبر ہندوستانی اور انگریز میرے واقف ہیں ضرورتاً مجھے کبھی کبھی انڈیا آفس میں جانا پڑتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء میں مَیں ایک دن ایک ممبر کو ملنے گیا جس نے مسئلہ سزائے سارق چھیڑنے کیلئے ذیل کا پیرایہ گفتگو اختیار کیا۔

آفسر۔ کیا اس وقت بھی آپکے خیال میں کل قرآنی احکام قابل نفاذ ہیں۔ شاید اس کے بعض احکام پیغمبر صاحب کے زمانہ کے مناسب ہوں گے ہمارے زمانہ کی تہذیب و تمدن شاید نہیں اجازت نہ دے۔ آخر تہذیب بھی تو وقت وقت کی ہوتی ہے“۔

میں۔ مَیں تو ایسا خیال نہیں کرتا ہم قرآن کریم کو آخری اور ناطق کتاب تسلیم کرتے ہیں اور اسے عالم الغیب خدا کی طرف سے نازل شدہ مانتے ہیں جس سے مراد یہ ہے کہ ہم احکام قرآنیہ کو ہمیشہ کے لئے صحیح۔ اور قابل تعمیل مانتے ہیں“۔

آفسر۔ مذہباً کسی چیز کو مان لینا تو ہر پرستار مذہب کا فرض ہے لیکن شاید مذہبی معاملات میں عقل و منطق کو مداخلت کا حق حاصل نہیں“۔

میں۔ یہ سچ ہے اسلام کے سوا کل مذاہب کا یہی حال ہے۔ لیکن ہم مسلمان تو اپنے کسی معتقدات کے لئے بھی عقل و منطق کے آگے شرمندہ

نہیں ہوتے۔ آپ کیوں کسی حکم شرعی کا نام نہیں لیتے۔ تاکہ معاملہ صاف ہو جائے"
آفسر۔ آپ اگر ناراض نہ ہوں تو کچھ عرض کرتا ہوں لیکن آپ از راہِ کرم ایک منٹ کے لئے یہ خیال نہ کریں کہ میں آپ سے کوئی مباحثہ کرتا ہوں آپکی وسعت قلبی جس کا ثبوت مجھے آپکی تقریر و تحریر سے اکثر ملا ہے مجھے ان باتوں کی جرأت دلاتی ہے اور یہ بھی برنگ استفادہ۔ والا قرآن تو ایک مقدس کتاب ہے...... ہاں یہ چوروں کی سزا کے متعلق قرآن کیا کہتا ہے۔ اور اب تو شاید دنیا کے کسی حصہ میں یہ حکم نفاذ نہیں پا سکتا۔"
میں۔ اس نفاذ کے ذمہ دار تو حکام ہوتے ہیں محکوم رعایا اگر پرستار قرآن ہوں تو اس کے احکام کے عدم نفاذ کیلئے تو ذمہ وار نہیں۔ ایسا ہی اگر مصری ترکی اور دیگر مسلم سلطنتوں نے ان معاملات میں تعمیل قرآنی چھوڑ دی تو اس کے ذمہ دار بھی آپ لوگ ہیں۔ آپ بے وجہ دوسرے کے گھر میں جا کر دخل دیتے ہیں۔ خیر اس امر کو آپ رہنے دیجئے میں نفس مضمون پر آتا ہوں جس آیت قرآنی میں چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا تجویز ہوئی ہے۔ وہاں لفظ سارق (چور) نہیں۔ بلکہ لفظ السّارق استعمال ہوا ہے حرف ال تعریفیہ ہے جس کے مقابل انگریزی زبان میں لفظ (the) آتا ہے یعنی ہر ایک چور کی یہ سزا نہیں بلکہ کسی خاص قسم کے چور کی یہ سزا تجویز ہوئی ہے۔ یہاں السّارق سے مراد عادی چور ہے۔ خلیفہ عمر رضؓ کے زمانہ میں پہلے جرم کیلئے سزا قید یا سزائے تازیانہ دی جاتی تھی۔ ہاں عادی چور کے ہاتھ کٹ جاتے تھے کسی مہذب سے مہذب قوم کے قوانین میں بھی ایسے مجرموں کو بہت

ہی سخت سزا دی جاتی ہے مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں ایک ایسے ہی ملزم کی طرف سے چودہ سال ہوئے ایک عدالت میں بحیثیت وکیل پیروکار تھا مسروقہ شئے کی قیمت شاید دو تین شلنگ سے زیادہ نہ تھی ایک جوتی کا جوڑہ تھا لیکن عندالتحقیق جب وہ مجرم ثابت ہوا تو مجسٹریٹ نے اُسے کل عمر کے لئے قید خانہ میں بھیجدیا جہاں سے وہ دو تین ماہ پہلے دس بارہ سال رہ کر آیا تھا"۔

افسر۔ "یہ تو پھر ٹھیک ہوا۔ جب ایک شخص عادی مجرم ہے۔ تو سوسائیٹی کو اُس کی مجرمانہ فطرت سے محفوظ رکھنے کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس کی حرکات وسکنات کو چار دیواری میں محفوظ کر دیا جائے"۔

مَیں "ہاں سزا کی ایک غرض یہ بھی ہے لیکن دوسری غرض اَوروں کیلئے عبرت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ دو مقصد سزا کس صورت سے حاصل ہو سکتے ہیں کسی نے مجرم کے ہاتھ کاٹ کر سوسائیٹی کو اسکی شرارتوں سے بچا لیا۔ کسی نے اُسے ساری عمر کے لئے چار دیواری میں بند کر دیا نہ معلوم ان دو طریقوں میں سے آپ کس اصول پر ایک کو رحیمانہ اور ایک کو ظالمانہ کہہ سکتے ہیں........"

افسر۔ (ہاتھ اٹھا کر) نہیں خواجہ صاحب میرے تو وہم وگمان میں بھی لفظ ظلم نہ تھا۔ مَیں نے تو آپ سے کچھ سیکھنے کے لئے اتنی گفتگو کی ہے۔ مجھے آپ معاف فرما دیں۔ اگر میرے سوال کی منشاء آپنے یہ سمجھی ہے"۔

مَیں۔ نہیں نہیں آپ دل تنگ نہ ہوں ایسے اعتراض بھی اگر کیا

کرتے ہیں۔ بہرحال میں آپکا شکر گذار ہوں۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپکا ایسا خیال نہیں۔ ہاں دوسروں کی عبرت بھی اگر مقصود سزا ہو تو وہ مقصد سزائے قید میں مفقود ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک ہاتھ کٹا چور چلتا پھرتا دوسروں کے لئے مستقل عبرت ہو جاتا ہے"۔

آفسر:۔ مجھے امید ہے کہ میرے اس کہنے پر آپ مجھے معاف فرمائیں گے کہ ہاتھ کٹنے سے شاید وہ ساری عمر کے لئے بیکار ہو جائے گا"۔

میں (مسکرا کر) تو آپ شاید اسے ساری عمر کے لئے قید کر کے قابل کار کر دیتے ہیں۔ آپ بھی تو اس کے لئے بیکار زندگی کا دروازہ کھول دیتے ہیں ایک نکمی اور تکلیف دہ محنت آپ اس سے بیگار مشقت لیتے ہیں اور روٹی آپ اسے دیتے ہیں اس قسم کے عادی مجرم قریباً ساری عمر جیلخانہ میں ہی گذار دیتے ہیں جس مجرم کا ابھی ذکر کیا ہے اس کی اس وقت عمر بیاس سال کی تھی لیکن میرے نزدیک قرآنی سزا زیادہ رحیمانہ ہے۔ آپکی سزا اسے اپنے اہل و عیال سے جدا کر دیتی ہے۔ ہم اسے اہل و عیال میں رہنے دیتے ہیں۔ جہاں وہ اپنے دوسرے قویٰ سے انہیں فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ ایک طرح اسکو بھی چھوڑ دیا جائے۔ اسکا بچوں میں رہنا ہی اس کے بچوں کی خوشی کا موجب ہے آپکی سزا اس طرح موت کی برابر ہے کیونکہ ایسے لوگ اپنے وطن سے کسی دور مقام میں بھیجے جاتے ہیں۔ مثلاً ہندوستان میں انڈیمان گو یا مجرم کے اہل و عیال کے لئے مجرم کی سزا کا دن اسکی موت کا دن ہوتا ہے۔ سزائیں اس قسم کی ہونی چاہئیں جسمیں نہ صرف مجرم کو ہی مدنظر رکھا جائے۔ بلکہ سوسائٹی کے

دوسرے افراد کے مفاد کا بھی لحاظ کیا جائے۔ فی زمانہ سزائیں نہ صرف مجرم کو ہی دی جاتی ہیں۔ بلکہ اس کے متعلقین کو بھی مستوجب سزا کر دیا جاتا ہے جسکی تشریح یہی سزا زیر بحث ہے۔ یہ جو عمر قید اہل و عیال سے جدا ہو کر انہیں مفارقت موت کی سی تکلیف دیتا ہے۔ یہ تکلیف کس جرم کے عوض میں آپ مجرم کے اہل و عیال کو دیتے ہیں؟"

اشمی:۔ بات تو آپ بہت معقول کہتے ہیں لیکن ہاتھ کا کاٹنا شاید رحیمانہ خیال کے منافی ہو؟"

میں:۔ یہ بھی آپنے عجیب کہا ایک شخص کے جسم کے کسی حصہ پر گینگرین (ایک قسم کا زہریلا فعل) ہو گیا ہے۔ تو رحم اسمیں ہے کہ اسکو کاٹ دیا جائے یا رحم اسمیں ہے کہ اسکو رکھا جائے۔ افراد سوسائٹی بطور اعضا سوسائٹی ہوتے ہیں۔ چور سوسائٹی کے لئے ایک قسم کا پھوڑا ہے۔ جو چور کے ہاتھ پر ظاہر ہوا ہے۔ سوسائٹی کی صحت کے لئے وہ عمل جراحی چاہتا ہے۔ علاوہ ازیں کسی فعل کا ہیجانہ یا ظالمانہ ہونا تو زیادہ تر نتائج کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ نہ کہ نوعیت فعل کے لحاظ سے۔ ہاں نوعیت بھی بدل سکتی ہے اگر کوئی بہتر صورت نظر آجائے۔ علاوہ ازیں آپنے سنا ہو گا کہ انسانوں میں بعض جرائم کسی جسمی قصور کا نتیجہ ہوتے ہیں چوری کا فعل انہیں میں سے ایک ہے یہ ایک مرض کے طور پر ہوتی ہے۔ بد قسمتی سے جسے یہ مرض لاحق ہے وہ چوری کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ امر اب علمی طور سے ثابت ہو گیا ہے کہ جس طرح انسان کو بعض خواہشات اور شہوتیں لاحق ہیں

اسی طرح کسی عضلۂ دماغ کے قصور سے چوری کی اشتہا بھی بعض میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اب آپ ہی فرمائیے۔ اس بد اشتہا کا کس طرح خاتمہ کیا جائے۔ جیل کی چار دیواری میں عادی چور کو بھیجکر آپنے سوسائیٹی کو سکے مضرات سے تو بچا لیا مگر اُس مرض کا آپنے کیا علاج کیا۔ اُسے کوئی دوائی پلائیے یا عمل جرّاحی کیجئے ایسے چور تو جیلخانہ میں بھی جاکر دوسرونکی روٹی یا اَور چیزیں چرا لیتے ہیں۔ وہ تو ایک قسم کی خارش ہے جو ہر جگہ پیدا ہو گی۔

آهنس۔ (قہقہہ لگاکر) یہ تھیوری تو بیشک اب مسلم ہو چکی ہے کہ چوری کی عادت ایک مرض ہے۔ لیکن کیا میں یہ سمجھوں کہ قرآن نے یہ عمل جراحی تجویز کیا ہے۔

ملّا میں۔ آپ ایسا ہی سمجھ لیجئے لیکن یہ عمل جرّاحی کی تھیوری بھی اب امریکا میں پیدا ہو رہی ہے۔ اور میرا تو ایمان ہے کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہ حکمت بالغہ سے ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب عضلہ دماغ کے نقص سے انسان میں چوری کا میلان پیدا ہو جاتا ہے وہ ہاتھ کے کٹنے سے درست ہو جاتا ہے آخر اعصاب دماغ کا تعلق کل جسم سے ہے جو خیالات و میلان انسان میں پیدا ہوتے ہیں ان سب کا تعلق دماغ کے باریک اعصاب و عضلات سے ہوتا ہے۔ یہی اعصاب عضلات جسم کے بڑے پٹھوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ ہاتھ کے کٹ جانے سے جب وہ تمام رگ و پٹھے کٹ جائیں گے جو انسان کے ہاتھ میں آکر جمع ہوتے ہیں تو اس سے دماغ کا وہ عصبہ ہی ماؤف ہو جائے جسے میلانِ سرقہ سے تعلق ہے۔

آهنس۔ بات تو بڑی دلچسپ آپنے نکالی لیکن ....

میں "میں نے تو بات نہیں نکالی بعض امریکن حکمائے کی یہ رائے ہے جو مزید تحقیق پر ممکن ہے حقیقت ہو جائے"۔

آفسر "ہاں ایسا ہی ہے لیکن میں یہ کہنے کو تھا کہ اس سے ہمیں ادراک یا ذہنیات اور جسم کو ایک شئے ماننا پڑیگا حالانکہ وہ دو الگ چیزیں ہیں"۔

میں "ہاں بعض مغربی حکماء کا یہی خیال ہے لیکن ہمارے نزدیک جسم اور ادراک دو الگ چیزیں نہیں۔ اگر دماغ کا جسمی حصّہ اور دماغ کا فعل ادراک یعنی ہمارا غور و فکر دو الگ الگ چیزیں ہوتیں تو دماغ پر صدمہ پہنچنے سے قوت تصور و تخیل میں فرق نہ آتا۔ مثلاً دماغ کے ایک خاص حصّہ پر چوٹ آجانے سے حافظہ مٹ جاتا ہے"۔

آفسر "یہ تو علم النفس کی بحث میں ہم پڑ گئے جو شاید گھنٹوں میں ختم ہو اس کے لئے شاید کوئی اور وقت موزون ہو گا۔ لیکن مختصراً میں آپکے غور کیلئے کہتا ہوں۔ چونکہ قوت تصور تخیل یا حافظہ کا میدان دماغ انسانی ہے اسلئے دماغ کی چوٹ بالضرور ذہنیات پر اثر ڈالے گی خواہ جسم و ادراک کو آپسمیں کوئی بھی تعلق نہ ہو"۔

میں۔ "یہ امر آسانی سے صاف ہوسکتا ہے لیکن میں اپنے نظریہ کے ثبوت میں اب سر اور دماغ کو چھوڑ دیتا ہوں۔ جگر کو لے لو۔ اگر یہ اعتدال پہ نہ رہے تو انسان کی طبیعت میں غصہ۔ چڑچڑا پن پیدا ہو جاتا ہے بعض وقت جگر کے سخت کمزور ہو جانے پر غصہ مر بھی جاتا ہے اسی طرح قلب انسانی کی جسمی صحت کے مطابق محبت و حوصلہ فیاضی یا اس کے

بالمقابل کنجوسی تنگدلی وغیرہ وغیرہ باتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کیا اس سے جسم اور روح یا جسم اور ذہن کا ایک ہونا نظر نہیں آتا۔ خیر یہ بات میں بھی آپکے سوچنے کے لئے کہہ جاتا ہوں اور اب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں"

آرچ ڈیکن یوگنڈا

مضمون۔ زمانہ حال کے علمی معجزات۔ مسیح کے معجزات مغرب پر اور غیر ممالک پر قبولیت عیسائیت کے بعد کا اثر۔ تہذیب و تمدن و تعلیم کے لحاظ سے انجیل و قرآن کا تقابل مسلمانوں کی گزشتہ اور موجودہ حالت وغیرہ وغیرہ۔

مقام۔ ایک جہاز جو انگلستان سے ہندوستان آرہا تھا۔

اپریل ۱۹۱۹ء میں میں انگلستان سے ہندوستان کی طرف آیا جس جہاز پر میں آیا۔ وہاں ایک بڑے پایہ کے پادری صاحب بھی تھے۔ جہاز ایک مختصر سا شہر ہوتا ہے ایک دو دن تک تو مسافروں میں کسیقدر تکلف و حجاب ہوتا ہے لیکن بعد میں مسافر ایک دوسرے کے دوست ہو جاتے ہیں اپنے اپنے مذاق کے مطابق مختلف شغلوں میں دن گذر جاتا ہے پادری صاحب موصوف مشرقی افریقہ کو جا رہے تھے۔ جہاں وہ آرچ ڈیکن تھے جبل الطارق تک پہنچتے ہوئے پادری موصوف میرے واقف ہو چکے تھے۔ ایک دن علی الصباح میں سموکنگ روم میں ایک رسالہ پڑھ رہا تھا جسمیں سر کینن ڈائل کا ایک مختصر مضمون تھا جو اس وقت سپر چولسٹ

مذہب کے پابند ہوگئے ہیں۔ اس مضمون میں یہ ذکر تھا کہ کس طرح علم عصبات دماغ میں ترقی ہو رہی ہے اور شفائے امراض کے معاملہ میں جو باتیں کل معجزہ سمجھی جاتی تھیں وہ آج اس نئے علم کے ماہرین آسانی سے کر رہے ہیں۔ میں یہ مضمون پڑھ رہا تھا کہ پادری صاحب بھی اتفاق سے اُس کمرہ میں آنکلے اور یوں گویا ہوئے :-

آرچ ڈیکن۔ آج صبح ہی صبح آپ یہاں آگئے۔ کیا کوئی بہت ہی دلچسپ مضمون ہے جو آپ پڑھ رہے ہیں ؟

میں۔ مضمون کے دلچسپ یا غیر دلچسپ ہونیکے متعلق تو میں کچھ عرض نہیں کر سکتا لیکن واقعات مندرجہ رسالہ کو پڑھنے سے ایمان و اعتقاد کا دیوالہ نکلتا جاتا ہے۔ آپ ملاحظہ کریں"۔

آرچ ڈیکن۔ یہ لوگ سپرچولسٹ ہیں انکو مذہب یا ایمان سے کیا تعلق ہے۔ نئے قسم کے مخترعیات میں پڑ گئے ہیں۔ یہ لوگ توجہ کے قابل نہیں"۔

میں۔ خیر آپکی رائے ایسی ہی ہوگی۔ لیکن جو کیپٹن ڈائل یہاں لکھتا ہے میں نے اُسے اگلے دن سنڈے ٹائمز میں بھی پڑھا تھا۔ مڈلینڈ کونٹی میں عصاب دماغ کے علاج کا نیا ہسپتال کھلا ہے۔ کہتے ہیں کہ بعض امراض تو نقص عضلات کے سبب سے ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی حصہ جسم یا کوئی عضو ماؤف ہوگیا جس سے کوئی مرض پیدا ہوگئی۔ ایسے امراض کے علاج میں ادویات کی ضرورت ہے۔ لیکن بعض امراض بعض اعصاب دماغ کے کام نہ کرنے سے یا صحیح طور پر عمل نہ کرنیسے پیدا ہوتے ہیں۔ انکا علاج ادویات سے

نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مریض کے آگے بعض تحریکات پیش کی جاتی ہیں۔ یا بعض کلمات کہے جاتے ہیں جس سے اُس کا دماغ جوش میں آ جائے اور وہ پٹھا یا عصب تحرک میں آ کر چھوڑا ہوا عمل اختیار کر لے۔ مثلاً اسی جنگ میں ایک سپاہی میدان سے واپس آیا۔ اُسکی زبان بند ہو گئی تھی وہ ہسپتال میں لایا گیا اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے۔ اس کے سامنے ایسے قول و فعل کئے گئے کہ جس سے اُسے غصہ و اشتعال آئے اور وہ اُن امور کو جو اُسکے سامنے کئے جا رہے تھے روکنے کی کوشش کرے ہاتھ پاؤں تو بند ہی چکے تھے اگر وہ اظہار مخالفت کرے تو اُسکا ذریعہ ایک زبان تھی جو بند ہو چکی تھی۔ لیکن اُن ایام علاج کے دو تین دن میں کچھ ایسی اشتعال انگیز باتیں اس کے سامنے کی گئیں کہ ایک دن انتہائے جوش میں اظہار مقصد کے لئے اُس کی زبان چل پڑی"۔

آدم ڈیکن۔ "یہ کونسی عجیب بات ہے میں نے بھی ایسا پڑھا ہے نیورالوجی (علم عصبات دماغ) کے اَور ترقی پانے پر بہت سے انکشافات ہو جائیں گے اور بہت سے اس قسم کے امراض کا علاج پیدا ہو جائیگا۔ اس جنگ میں سائنس کے بہت کچھ انکشافات ہوئے ہیں"۔

مَیں۔ "یہ بات تو صحیح ہے لیکن وہ مذہب تباہ ہو جائیں گے جن کی صداقت میں اُن کے حامی معجزات پیش کیا کرتے ہیں۔ مثلاً اسی سال میں اور ایسے ہی سنڈے ٹائمز میں میں نے پڑھا کہ ایک سولہ سال کا اندھا اس قسم کے علاج سے ایک دو دن میں بینا ہو گیا۔ ایک شخص جو گزشتہ آٹھ دس سال سے

چارپائی سے ہل نہیں سکتا تھا وہ چلنے لگ گیا ممکن ہے کہ بعض عصبات کے کام نہ دینے پر کوئی شخص بے حس و حرکت ہوجاوے اُس کی نبض بھی ساقط ہوجاوے اور بظاہر مرجاوے لیکن ابھی رُوح جسم سے الگ نہ ہوئی ہو کہ کوئی اِس فن کا ماہر آواز دیکر اُسے زندہ کرلے۔ اس وقت بہرے سننے گنگے بولنے۔ اندھے دیکھنے اور لنگڑے تو چلنے لگ گئے ہیں۔ اب کسی مُردہ کے زندہ ہونیکی کسر باقی ہے"۔

اِس وقت پادری صاحب تاڑ گئے کہ اُنکے مخاطب نے اُنپر کیا زد کی۔ کیونکہ جلی حروف سے لکھی ہوئی باتیں انجیلی مسیحؑ کی خدائی کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں۔ میرا لہجہ دوران گفتگو میں معترضانہ نہ تھا۔ بلکہ ہمدردانہ جس کے سبب پادری صاحب نے گفتگو کو جاری رکھا۔ وِرنا یہ لوگ ایسے موقعہ پر قطع کلام کرکے ادھر اُدھر ٹلجاتے ہیں۔

آرچ ڈیکن:۔ اب مَیں آپکا مطلب سمجھا لیکن آپ تسلی رکھیں مسیحؑ اپنی صداقت کیلئے ایسے معجزات کا جن کا ذکر بائبل میں ہے محتاج نہیں عیسائیت کی سچائی کا ثبوت وہ معجزانہ انقلاب اخلاق ہے جو عیسائی مذہب کے قبول کرنے پر قوموں میں پیدا ہوجاتا ہے۔ مثلاً مَیں مشرقی افریقہ میں کام کرتا ہوں جہاں کے لوگ اخلاقی طور سے نہایت ہی ادنیٰ مقام پر کھڑے ہیں لیکن مَیں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ عیسائی ہونیکے بعد آہستہ آہستہ اُنمیں احساس اخلاق پیدا ہوتا جاتا ہے"۔

مَیں۔ آپ صحیح فرماتے ہیں لیکن اس معاملہ میں تو آپنے مسلمانوں کی حیثیت

اختیار کرلی جب اُن سے عیسائی پادری معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ معجزات کا حوالہ کبھی دیدیا کرتے ہیں لیکن عموماً وہ اس معجز نما انقلاب اخلاق کا حوالہ دیتے ہیں۔ جو بانی اسلام کے ظہور پر عرب میں اور دیگر ممالک میں بھی اسلام لانے پر ہوا ہو۔ خود یورپین مؤرخ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ جو عرب بدچلنی جہالت خونخواری اور دیگر امور قبیحہ میں سب سے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ وہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے پیدا ہو جانے پر متقی پارسا فضلائے روزگار الغرض ہر امر محمود میں یکتائے روزگار ہو گئے۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ یہ بات آپ صحیح کہتے ہیں تبدیلی خلاق ہی بڑا معجزہ سمجھنا چاہیئے۔ باقی معجزات تو بعد میں قصہ کہانیاں ہو جاتے ہیں لیکن یورپ کو کیا ہو گیا وہاں تو ہر طرف عیسائی ہی عیسائی ہیں۔ اور عیسائی بھی ہر فرقہ کے اور وہ سب کے سب اس جنگ میں گرفتار تھے جس میں اخلاق کے بدترین نمونے سب قسموں کے ظاہر ہوئے۔ کوئی صرف اس گندہ دہانی اور گالیوں پر ہی غور کرے۔ . . . . جو ایک عیسائی قوم نے دوسری قوم کو دیں۔ فی الجملہ جنگ نے اس نسل انسانی کو تباہ کیا ہے یہی عیسائی قومیں کئی سالوں سے آلات حرب کی تیاری میں مصروف رہیں۔ گویا وہ اس جنگ کی منتظر تھیں یشہزادہ سلامتی (مسیح) کے ماننے والوں نے صدیوں سے کوئی اچھا اثر تعلیم عیسائیت کا نہیں دکھلایا"۔

آرچ ڈیکن۔ (بے صبری سے) آپ یورپ کو عیسائی کیوں کہتے ہیں یہ تو مدت سے عیسائی نہیں رہے"۔

میں۔ لیکن اگر موجودہ یورپ کو چھوڑ دیا جائے تو ایام وسطی کا یورپ بھی اپنے ظلم اور شرارتوں کی وجہ سے اخلاق کا بدترین نمونہ پیش کرتا رہا۔ اسطرح ہم قریباً پانچویں چھٹی صدی مسیح تک آجاتے ہیں"۔

اِن امور پر پادری صاحب کس طرح اعتراض کرسکتے تھے یہ تو تاریخی باتیں تھیں۔ آخر انھیں تسلیم ہی کرنا پڑا اور یُوں گویا ہوئے۔

آرچ ڈیکن "میں اس وقت کے یورپ کو بھی عیسائی نہیں کہتا اس سے بھی پہلی صدیوں کے عیسائی عیسائی تھے جب سچی اخلاق یورپ میں نظر آتے تھے"۔

میں۔ "بات تو آپ سچ کہتے ہیں گویا جب سے یہ نام نہاد تہذیب و تمدن اور علم و فضل یورپ میں پیدا ہوا عیسائیت کی تاثیر کم ہوتی گئی۔ مجھے خطرہ ہے کہ مشرقی افریقہ کے لوگ بھی جب کسیقدر مہذب ہونے لگیں گے تو وہ بھی ایسے ہی نہ ہو جائیں۔ آپ لوگ تو گزشتہ پچیس تیس سال سے مشرقی افریقہ کو اپنے زیر اثر لا رہے ہیں لیکن جہاں پچاس سو سال سے عیسائیت آئی ہے وہاں عیسائیت سے پہلے تین چیزیں مفقود تھیں لیکن وہ آج ہیں۔ قمار بازی۔ شراب خوری۔ اور مرد اور عورت کے ناجائز تعلقات"۔

آرچ ڈیکن "(کسیقدر برافروختہ ہوکر) تو کیا یہ عیسائیت لے گئی ہے"۔

میں۔ ہرگز نہیں مگر عیسائی لوگ تو ضرور لے گئے ہیں لیکن وہ تو برائے نام عیسائی ہیں ورنہ مسیح کی اپنی تعلیم تو اچھی ہے"۔

آدرچ ڈیکن۔" تو پھر آپنے ان دو واقعات کو کیوں اکٹھے ملایا"۔

میں۔ ان علاقوں میں واقعات کا ظہور ایسے ہی ہوا۔ عیسائیت کے جانے کے بعد لوگوں میں ایسی باتیں پیدا ہو گئیں۔ گو جناب مسیح اس کے ذمہ وار نہیں ہو سکتے۔

آدرچ ڈیکن۔" آپ تو پہیلیوں میں گفتگو کرتے ہیں۔ ایک طرف آپ مسیح کو بھی ذمہ وار نہیں ٹھہراتے۔ دوسری طرف مسیحیت کے جانے پر ان بدیوں کا پیدا ہونا بیان کرتے ہیں"۔

میں۔" اگر آپ ایک منٹ کے لئے صبر کریں تو میں اسکی تشریح کر دوں۔ بدقسمتی سے یورپین خواہش جہانگیری نے تین حرف ایم (میم) کو اکٹھے جمع کر دیا ہے مشنری (پادری) مرچنٹ (تاجر) ملٹری (فوج) یعنی یورپین پالیسی کے ماتحت پہلے پادری بھیجے جاتے ہیں پھر تاجر جاتے ہیں۔ پھر انکی حمایت میں فوج بھیجی جاتی ہے۔ جب یہ واقعات ہیں تو پھر کیوں عیسائیت کے داخل ہونے کے بعد شراب خوری قمار بازی اور بدیاں آہستہ آہستہ نہ چلی جائیں"۔

آدرچ ڈیکن۔" تو آپ مشرقی لوگوں کی رائے میں ہمارے مشن پولٹیکل اغراض سے بھی تعلق رکھتے ہیں"۔

میں۔ ہاں بعض لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ مشرقی ممالک میں خصوصاً شہروں میں عیسائی مشن کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ چنانچہ ہندوستان میں مشن شہروں سے اٹھکر دیہاتوں میں

چلے گئے ہیں ...... لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ مَیں نے آپکا بہت سا وقت لے لیا ہے ۔

مسز ذ دآرچ ڈیکن کی بیوی ”حیران ہوتی ہو گی کہ آپ کہاں چلے گئے ہیں آپکا ممنون ہوں کہ مَیں نے آپکا اِتنا وقت لیا ۔“

آرچ ڈیکن ۔ ”ہاں مجھے یاد آگیا کہ مجھے اب جانا چاہیئے“ ۔

اسپر یہ گفتگو تو ختم ہو گئی لیکن آرچ ڈیکن بہادر کو یہ گولی ایسی نہ ملی تھی جسے وہ آسانی سے ہضم کرسکتے ۔ یہ گفتگو غالباً ہفتہ کی صبحکو ہوئی تھی اگلا دن اتوار کا تھا ۔ رات کے وقت تختۂ جہاز پر عیسائی عبادت ہوئی ۔ پادری صاحب نے گرجا کراتے ہوئے اپنے سرمن میں اس بات پر زور دیا کہ عیسائیت جہاں گئی تہذیب و اخلاق کو لیکر گئی چنانچہ دوران سرمن میں انہوں نے بعض اپنے واقعات اور تجارب بھی بتلائے اور اس بات پر بہت زور دیا کہ گزشتہ دس سال میں اُن کے زیر اثر لوگ علاقہ یوگنڈا میں وحشیانہ حالت سے نکلکر مہذب ہو گئے ۔ گرجا ختم ہوا اگلے دن یعنی پیر کے دن چاشت کے بعد پادری صاحب تختۂ جہاز پر آئے جس کے ایک کنارہ پر مَیں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا ۔ سلام کرنے کے بعد میرے ساتھ ایک کرسی لے کر وہ بیٹھ گئے ۔ اور یُوں گویا ہوئے :-

آرچ ڈیکن ۔ ”آپکی کل کی گفتگو سے مَیں خیال کرتا تھا کہ آپ مسلمان ہوں گے لیکن آپ تو کل ہمارے ساتھ عبادت میں شریک تھے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ آزاد خیال عیسائی ہیں“ ۔

میں۔ نہیں میں عیسائی تو نہیں۔ البتہ مسیحؑ کو برگزیدہ انسان اور نبی مانتا ہوں میں مسلمان ہوں اور ہمارے مذہب نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ جہاں خدا کا نام لیا جائے ہم اُسے عزت سے دیکھیں بلکہ کسی مذہب کی عبادتگاہ کی حفاظت میں ہماری اگر جان بھی جاتے تو ہم دیدیں۔ کل آپ خدا کی عبادت کر رہے تھے۔ اس امر کے سوا کہ آپ خاتمہ دعا پر خدا کو مسیحؑ کا واسطہ دیتے ہیں جس سے ہم متفق نہیں۔ باقی خدا کی عبادت تھی اُس میں شریک ہونیکا کیا ہرج ہے پھر جو کچھ بھی آپنے کل کہا صحیح کہا!!

آرچ ڈیکن۔ "(خوشی کے لہجہ میں) تو پھر آپ میرے سرمن سے متفق ہیں"۔

میں۔ "بالکل یعنی آپ کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح اخلاق ہو جاتی ہے جب دو مختلف تہذیب و تمدن کے افراد اکٹھے جمع ہوتے ہیں تو ادنیٰ تہذیب والے اعلیٰ تہذیب کے زیر اثر آجاتے ہیں"۔

آرچ ڈیکن۔ "یہ ہوسکتا ہے لیکن میں تو اسے عیسائیت کیطرف منسوب کرتا ہوں"

میں۔ اس امر کے فیصلہ کرنے کی ایک اور راہ ہے کسی ملک یا کسی قوم میں صدہا اسباب کے ذریعہ تہذیب تمدن تعلیم فضیلت ثروت آجاتی ہے۔ ان اسباب کا تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ دو چیزوں کا ایک وقت ایک جگہ جمع ہو جانا ضروری نہیں کہ اُن میں علت و معلول کا رشتہ پیدا کردے یعنی یہ ضروری نہیں کہ اُن دو چیزوں میں ایک باعث اور ایک نتیجہ ہو یعنی اگر کہیں تہذیب و تعلیم یا عیسائیت اکٹھے ہوگئے ہیں تو ضروری نہیں کہ تعلیم و تہذیب کا سبب عیسائیت تھی۔

آرچ ڈیکن۔ یہ امر بالکل صحیح ہے لیکن اس صورت میں جہاں اور اسباب بھی موجود ہوں۔ مگر جس جگہ صرف وہی باتیں ہوں تو ان میں علت و معلول کا رشتہ ہو سکتا ہے"۔

میں۔ میں تسلیم کرتا ہوں اور مانتا ہوں کہ یوگنڈا میں آپ کے مشنریوں کی طفیل تہذیب ہوئی لیکن عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یورپ کی موجودہ تہذیب و تمدن علم و دولت سب عیسائیت کی طفیل ہے کیونکہ یورپ عیسائی ہے تو پھر میں کہتا ہوں کہ یورپ کی دیگر سیاہ کاریوں کی ذمہ وار بھی عیسائیت ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ یورپ کی خوبیوں کی مستحق تو عیسائیت قرار دی جائے۔ اور بدیاں کسی اور کے دروازہ پر پہنچائی جائیں۔ یہ صحیح منطق نہیں۔ اگر عیسائیت ایک امر کا سبب بننا چاہے تو دوسرے امر کو بھی اپنے ذمہ ڈالے۔

آرچ ڈیکن۔ تو آپ اپنی صحیح منطق بتلائیں خصوصاً اس معاملہ میں مسلمان قوموں کو سامنے رکھیں۔ ہم نے مسلمانوں کے حالات اچھے نہیں سنے آپ ناراض نہ ہوں اگر میں یہ کہوں کہ ہم نے تو یہی پڑھا ہے کہ اسلام سے نسل انسانی کو بہت نقصان پہنچا ہے"۔

میں۔ ہاں پولیٹیکل اغراض سے اور ایسا ہی اور اغراض سے یورپین موجودہ مؤرخین نے اسلام کو بدنما رنگوں میں ظاہر کیا آپ ان پولیٹیکل مؤرخین کو چھوڑ کر گبن وغیرہ کو دیکھیں۔ بہرحال یہ ایک تاریخی بحث شروع ہو گئی ہے۔ اور کتب تاریخ کے یہاں موجود نہ ہونے پر ہم کسی صحیح نتیجہ پر نہیں آ سکتے لیکن جس اصول کی طرف میں اشارہ کر رہا تھا وہ میں

عرض کر دیتا ہوں۔ اگر عیسائیت کی تاثیر کو یا اسلام کے اثر کو دیکھنا ہو تو اُن ممالک کو دیکھنا چاہیئے جو بیرونی بھی کسی اور ملک و قوم کی ترقی و تہذیب کے اثر سے الگ رہے ہوں اور ایک ہی مذہب مدتوں وہاں کام کرتا رہا ہو مثلاً یورپ کی موجودہ تہذیب و تمدن کے بیسیوں اسباب تسلیم کئے گئے ہیں۔ آپ تاریخ تہذیب و تمدن و اخلاق دیکھیں مثلاً میکارتھی یا پروفیسر لیکی کو پڑھیں۔ پھر اس تمدن و تہذیب کو یہ لوگ عیسائیت سے پیدا شدہ قرار نہیں دیتے۔ ان اسباب میں ایک زبردست مسلم سپین بھی ہے۔ ممکن ہے انمیں عیسائیت بھی ہو۔ لیکن حبش ایک ایسا ملک ہے جس کے باشندے یورپ سے بھی پہلے عیسائی تھے وہ ملک بیرونی تاثرات سے اب تک باہر رہا ہے۔ وہاں کی تہذیب آپ دیکھ لیں کہ عیسائیت نے وہاں کیا کیا وہ اس وقت بھی وحشی ہیں بالمقابل عرب بعثت نبویؐ سے پہلے دنیا سے الگ تھا۔ اسلام کے آتے ہی وہ ہر طرح کی ترقی و تمدن کے معراج کو پہنچگیا۔ یہ امر بھی مسلّم ہے کہ اسلام کے سوا اور کوئی امر وہاں پیدا نہ ہوا اسلئے اسلام ہی اُسی ترقی و تہذیب اخلاق کا موجب سمجھا جاویگا۔ لیکن بہترین طریق اور ہے جسکی قطعیت پر آپکو بھی اعتراض نہ ہوگا۔ آپ قرآن کو اور بائبل کو ہاتھ میں لیکر تمدن و تہذیب کی ایک ایک شاخ کو دیکھ لیں جس شاخ کے متعلق امتحان کرنا ہو اُس پر انجیل و قرآن کی تعلیم کا مقابلہ کر لو۔ مَیں نے اسی نگاہ سے دونوں کتابوں کو پڑھا۔ پھر آپکو معلوم ہو جائے گا کہ کس کتاب کی تعلیم پر

چلکر دُنیا میں تمدن و تہذیب پیدا ہو سکتی ہے۔ اور کس کتاب میں اِن امور کا ذِکر تک بھی نہیں"۔

آرچ ڈیکن۔ "یہ تحقیق تو ایک زمانہ چاہتی ہے۔ لیکن اس وقت کیوں مُسلم دُنیا میں تہذیب و تمدن مفقود ہے"۔

مَیں:۔ "اُس کا جواب تو خود کل آپ نے معاملۂ اخلاق میں یُورپ کے متعلق دے دیا تھا جس طرح اہل یُورپ نے مسیحؑ کے احکام کو پس پُشت کرکے اخلاق کو چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح علی العموم مسلمان قرآن کو پس پشت کرکے تمدن و تہذیب سے الگ ہو چکے ہیں"۔

آرچ ڈیکن۔ "آیا کوئی تعلیم تو ایسی نہیں جو ناقابل تعمیل ہو"۔

در اصل یہ بات اکثر اسلام کے مخالف کہا کرتے ہیں۔ کہ قرآن کی تعلیم قابل عمل ہی نہیں اِسلئے مسلمان ردّی حالت میں ہیں۔ اور دوسروں کی تعلیم و تہذیب و طریق زندگی کو اختیار کرتے ہیں۔ اُنکی اپنی تعلیم قابل عمل نہیں۔

مَیں۔ نہیں ایسا نہیں تعلیم قرآن فطرت انسانی کے مطابق ہے علاوہ ازیں اسلام اور دیگر مذاہب میں تاریخاً ایک امر امتیاز ہے۔ اسلام میں جُوں جُوں ہم اس کے ابتدائی دنوں کی طرف جائیں۔ یعنی جن ایام میں مسلمان تعلیم مذہب کے پابند تھے اور مذہب پر چلتے تھے اس وقت اُن میں علم۔ فضیلت۔ شوکت۔ ثروت۔ غرض ہر رنگ کی ترقی موجود نظر آتی ہے لیکن جب ہم اس زمانہ کی طرف

آئیں جب مسلمان مذہب سے الگ ہوتے گئے ساتھ ہی ساتھ اپنی ترقی کو بھی گنواتے گئے دوسری قوموں میں یہ امر اُلٹ ہے مثلاً یورپ نے ایّام وسطیٰ میں جب وہاں مذہب کا انسانی دلوں پر پورا تسلط تھا ہر قسم کی علمی تحقیقوں کو بند کر دیا۔ گیلی لو اور کوپر نی کس جیسے صدہا فضلاء تکلیف میں ڈالے گئے۔ آج کہتے ہیں کہ یورپ میں بیدینی ہے لیکن علمی چرچا بھی آجکل ہی ہے۔ اسلام میں علمی چرچا اُس وقت تھا جب مذہب کا بھی چرچا تھا۔

عین اس وقت لنچ کے لئے گھنٹی نے اس گفتگو کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن میں وہیں بیٹھا ہوا دریائے رنج و تاسف میں غرق ہو گیا بار بار میرے سامنے قرآنی آیت یارب ان قومی اتخذوا ھٰذا القرآن مھجوراً۔ آتی تھی۔ جسکا مقصد یہ ہے کہ قرآن چھوڑ کر ہی مسلمان تباہ ہو گئے۔ یہ مسلمان غور نہیں کرتے کہ جس بات کا تاریخاً اُنہیں تجربہ ہو چکا ہے اسکی طرف کیوں نہیں جاتے بیشک دُنیا کی دوسری قوموں نے بھی ترقی تہذیب کی . . . . لیکن اُنکو تہذیب حاصل کرنے میں صدیاں لگ گئیں۔ صرف اسلام نے بیس پچیس سال میں وہ کچھ حاصل کیا جو دوسرے لوگوں نے صدیوں میں نہ پایا اُس کا باعث صرف قرآن تھا پھر یہ لوگ قرآن پر کیوں نہیں چلتے۔ خصوصاً اِس زمانہ انتشار میں جب مسلمان اپنی کمزوری کو محسوس کر چکے ہیں تو کیوں قرآن کو نہیں کھولتے اور اس پر عمل نہیں کرتے۔ کیا گئی گذری شوکت کو دوبارہ حاصل کرنے

کے لئے کوئی طریق قرآن میں نہیں ہے۔ ہندوؤں کا حق تھا کہ وہ یورپین طریق کی نقل کریں۔ کیونکہ اُن کے مذہب اور اُنکی تاریخ و تمدن سابقہ میں کوئی حسب ضرورت تعلیم موجود نہیں۔ یہ مسلمان ہندوؤں کو کیوں پیرو مرشد بنا رہے ہیں۔ ایک امر مشترکہ میں رفیق بنجانا تو بُری بات نہیں وہ اسلامی تعلیم کے مطابق ہے۔ لیکن یہ کیا ظلم ہو رہا ہے کہ قرآن چھوڑکر دوسروں کی پیروی کی جاتی ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آتا کہ ایک طرف ہم پلیٹ فارم پر دوسروں کے مقابل یہ کہتے ہیں کہ ہمارے قرآن میں یہ ہے اور وہ ہے اور خود اُس پر عمل نہ کرکے غیر قوم کو یہ کہنے کا موقعہ دیتے ہیں کہ یا تو ہمارے ہاں کوئی تہذیب و تمدن کے اصول نہیں اور اگر ہیں تو وہ قابل عمل نہیں۔

ممکن ہے کہ واقعات حاضرہ کے متعلق جو اس وقت کسی کیمپ سے آواز آرہی ہے وہ قرآن اور حدیث کے خلاف نہ ہو۔ ایسا ہی جو کچھ کوئی تجویز کررہا ہے۔ وہ قرآن کی ہی مہربانی ہو۔ مگر موجودہ روش سے جو بڑا بھاری نقصان ہو رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم مسلمان جنہیں ہر معاملہ زندگی میں قرآن کریم کی طرف دیکھنے کی عادت ہونی چاہیئے۔ وہ آہستہ آہستہ ہدایت کے لئے کسی اور طرف دیکھنے کے عادی ہوتے جاتے ہیں۔ ہمارا مقتدا قرآن کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا ہے۔ ہم قرآن کے سوا اور کسی کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرسکتے ہم تب تک مسلمان ہیں اور تب تک ہی ہم میں

قومی حمیّت کام کر سکتی ہے۔ جب تک فرمودہ اللہ والرسول ہمارا مسلک ہو۔ آج اس قسم کے ہی جذبہ اطاعت قرآنی میں آہستہ آہستہ کمی ہو رہی ہے۔ اور مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ جذبہ مر ہی نہ جائے۔ ہم نے جو کچھ نقصان اٹھایا۔ قرآن بھولا کر اٹھایا لیکن اب تک ہم قرآن کریم کیطرف بطور ہادی دیکھنے کی عادت رکھتے ہیں۔ خدانخواستہ اس موجودہ انداز سے کہیں وہ عادت نہ مٹ جائے ہمیں یہ آواز آرہی ہے کہ زید و بکر کے آگے سر تسلیم خم کرو۔ کوئی خدا کا بندہ اس موقعہ پر جب مسلم قلوب آتش ابتلا سے پگھلکر ہر ایک نئی قالب کو اختیار کرنیکی نقطہ پر آ پہونچے ہیں اس بات کی کوشش نہیں کرتا کہ اس پگھلے ہوئے لوہے کو قرآن کی کٹھالی میں ڈالے۔ میں دعوی سے کہتا ہوں کہ آجکل کی سیاسی سرگرمیوں میں جو بہتر سے بہتر اصول پیش کئے جاتے ہیں۔ خواہ وہ کسی ہندو کی زبان سے نکلتے ہوں یا سکھ اور انکی اتباع میں مسلمانوں کی زبان پر جاری ہیں وہ بہترین شکل میں قرآن نے تعلیم کئے ہیں۔ کیوں ہمارے لیڈر قرآن نہیں کھولتے۔ اور اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے وہ اسلامی جلسے کیا ہوئے جو آج سے دو تین سال پہلے ہندوستان کے مختلف شہروں میں مختلف انجمنوں کی سرپرستی میں ہوا کرتے تھے جنمیں قرآن اور حدیث کی چرچے ہوا کرتی تھی۔ کون کہتا ہے کہ سیاسیات میں جائز طریق پر حصہ نہ لو۔ وہ بھی مسلم زندگی کا ایک ضروری حصہ ہے لیکن جہاں تمام امور پر تعلیم قرآن احاطہ کرتی ہے تو کیوں قرآن کو ہادی نہیں بنایا جاتا یا پھر کہو قرآن چھوڑ کر ان چالوں پر چلتے ہو اور اگر آئندہ بھی ہمارا یہی طریق عمل رہا تو آج ہی اپنی قوم کا جنازہ پڑھ چھوڑو کہ مفقود شدست درس قرآں ، ز آں روز ہجوم این بلاست

لارڈ سٹینلے مرحوم کی ایک رشتہ دار خاتون

مضمون - قرآن کریم لفظاً اور معناً خدا کی طرف سے ہے لیکن انجیل و توریت ایسی نہیں صحیفۂ قدرت میں اس کا ثبوت۔

مقام - نمبر ۲۱ کرامویل روڈ سوتھ کنسنگٹن لنڈن۔

لارڈ سٹینلے مرحوم انگلستان کے پہلے لارڈ تھے جنہوں نے تیس ۳۰ سال ہوئے اسلام قبول کیا تھا سننے میں آیا کہ آپنے کچھ حصہ قرآن بھی حفظ کیا تھا اور تہجد بھی پڑھتے تھے - آپکے اس مذہب کا حال پبلک کو آپکی وصیت کے ذریعہ بعد از وفات ہوا جسمیں آپنے اسلامی طریق پر تجہیز و تکفین کیلئے لکھا۔ آنکے خاندان میں سے انکی ایک بہت ہی قریبی رشتہ دار لیڈی . . . . ہیں وہ میری واقفوں میں سے ہے۔ ۱۹۱۸ء کی ابتداء میں چند معزز خواتین نے لنڈن میں چند لکچر بمقام بانڈ سٹریٹ گیلری نمبر ۶ و ۷ لنڈن دلوائے۔ اسمیں ایک لکچر کی مجھ سے بھی درخواست ہوئی۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ایک اتوار کو بصدارت شیخ محمد پکتھال میں نے لکچر دیا جس کا عنوان سیو یچویل انڈ یا ہے۔ اسی دن مسٹر پکتھال نے اپنی صدارتی تقریر میں اعلان اسلام کیا۔ یہ لکچر اسلامک ریویو ۱۹۱۸ء میں چھپ چکا ہے۔ لکچر کا خاص اثر سامعین پر تھا انمیں سے بعض پر عالم محویت طاری تھا۔ لکچر کے بعد ہم میں سے چند دوستوں نے لنچ کے لئے نمبر ۲۱ کرامویل روڈ میں جانا تھا۔ جن کیلئے مسز اور مسٹر نگم چند سین انڈین سٹوڈنٹ اڈوائیزر نے ہمیں دعوت دی تھی۔ بانڈ سٹریٹ سے چلتے پر لیڈی

سٹینلے مرحوم کی رشتہ دار، جو لکچر میں موجود تھی میرے ہمراہ ہو گئی لکچر کے متعلق چند الفاظ تعریفیہ کہہ کر ذیل کی گفتگو ہمارے درمیان ہوئی۔ اسکا کچھ حصہ تو راہ میں ہوا لیکن زیادہ حصہ کمرہ دعوت میں ہوا۔

لیڈی۔ "مجھے تو ایسا معلوم ہوا کہ میں آج کسی بڑے گرجا میں ہوں اور جہاں ہمارا کوئی بڑا پادری مذہب کا باریک حصہ بیان کر رہا ہے ہمارے بڑے پادری بھی بعض وقت ایسی موشگافی کیا کرتے ہیں"۔

میں۔ "خدا کے لئے میری تقریر کو پادریوں سے نہ ملاؤ۔ لیکن۔ ہاں۔ بہتر سے بہتر تعریف جو آپ کر سکتی ہیں وہ یہی ہو سکتی ہے"۔

لیڈی۔ "ہاں آپ بھی تو ہمارے معلمان مذہب کے قدم پر چلتے ہیں"۔

میں۔ "آپکو شاید غلطی لگی ہے لیکن آپ نے کہاں یہ بات دیکھی"۔

لیڈی۔ "اسلامک ریویو میں بھی تو آپ ہماری طرح ماڈرن ازم کی اجراء کر رہے ہیں"۔

اس وقت نئے خیالات اور جدید علمی انکشافات کے مقابل مذاہب دیگرہ کے معلم عموماً اپنے تعلیم مذہبی کو موجودہ مذاق کا تقاضا پورا کرنیکے لئے جدید خیالات کے سانچے میں ڈھالتے جاتے ہیں اس قسم کی جدت کا نام ماڈرن ازم ہے۔ لیڈی موصوف بھی اسطرف اشارہ کر رہی تھی۔ بات یہ ہے کہ قرآن کریم عالم الغیب خدا کی طرف سے آخری کتاب ہے ہمیشہ تازہ بتازہ اور نو بہ نو ہے۔ خواہ زمانہ کتنا ہی بدل جائے اگر خیالات کی جدت میں صحت ہے تو قرآنی تعلیم کے مطابق ہے اس وقت جس بات نے لوگوں کو ولایت میں حیران کیا ہے وہ یہی ہے لوگ اپنی

طرف سے نئی بات نکالتے ہیں۔ اگر وہ کوئی مذہبی صداقت ہوتی ہے تو بالضرور قرآن کے مطابق ہوتی ہے اُنکے لئے وہ نئی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ غلطی میں تھے جب وہی باتیں ہم سے سنتے ہیں تو بعض مخالف طمع ہم پر بھی ماڈرن ازم کا آوازہ کستے ہیں"۔

میں "یہ الفاظ میرے کانوں کیلئے اجنبی ہیں۔ مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ اسلامک ریویو میں کہیں ماڈرن ازم ہو۔ ہاں عیسائی مصنفین اس بات پر مجبور ہو گئے ہیں۔ پرانے پانی کو نئے مشکیزوں میں بھرتے ہیں اور وہ مجبور ہیں لیکن ہمیں تو اس بات کی ضرورت نہیں جو باتیں میں لکھتا ہوں وہ جدید خیال کو اپیل کر رہی ہیں۔ حالانکہ اُن کا ماخذ قرآن ہے۔ جسکا لفظی ترجمہ ہی ریویو میں دیا جاتا ہے"۔

لیڈی۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے اگر آپکی تحریر جدید خیال کے مطابق ہے تو وہ خیالات تو آج کے ہیں۔ تیرہ سو برس کا کلام آج کے خیالات کے مطابق کیسے پڑ سکتا ہے"

میں "اگر خدا کا کلام ہے تو ضرور پڑیگا۔ خدا کی کون سی بنائی ہوئی چیز ہے۔ جو جدید خیال کے لحاظ سے بنی تھی۔ آپ تو تیرہ سو برس کی فکر میں ہیں۔ خدا کی چیزیں تو ابدالآباد سے چلی آتی ہیں انسان بدلتا جائے اگر اسکی جدت میں صحت ہے تو خدا کی چیزیں اس کے مطابق پڑ جاتی ہیں یہی حال کلام آلہی کا ہونا چاہیے اگر وہ انسانی دست برد سے بچا...... خیر آپ اصلی مطلب کی طرف آئیں آپنے کونسی بات اسلامک ریویو میں ماڈرن ازم کی دیکھی"۔

لیڈی "ہم آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے انجیل و توریت کے ہر لفظ ہر فقرہ کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے نہ صرف معنی ہی بلکہ ایک ایک لفظ بھی خدا کی طرف سے

مانتے تھے لیکن آج تحقیق مزید پر یہ امر ثابت ہوگیا ہے کہ بائبل کے الفاظ خدا کی طرف سے نہیں بلکہ انکا مطلب اور مراد خدا کی طرف سے تھا مسلمان بھی پہلے قرآن کے لفظاً اور معناً خدا کی طرف سے سمجھتے تھے۔ لیکن اب آپ تو شاید اپنے ریویو میں یہ دکھلا رہے ہیں کہ منشاء قرآن تو الہامی ہے لیکن الفاظ انسانی"۔

میں۔ "آپکو شاید غلطی لگی ہے ریویو میں تو کبھی ایسا مضمون نہیں نکلا آخر اڈیٹر تو میں ہی ہوں"۔

لیڈی۔ "خیر۔ تو کیا آپ قرآن کے الفاظ بھی خدا کی طرف سے سمجھتے ہیں"۔

میں۔ "الفاظ چھوڑ قرآن کے جملہ فقرے انکی ترتیب انکی ترکیب سکون وغیرہ پھر قرآن شکل موجودہ میں جمع ہونا سورتوں کی اور سورتوں میں آیات کی ترتیب الغرض ہر ایک چیز کو میں قرآن میں الہام الٰہی اور اسکے ہدایت تلے سمجھتا ہوں"۔

لیڈی۔ "لیکن الفاظ تو قرآن سے پہلے موجود تھے۔ جس زبان میں قرآن نازل ہوا وہ تو عرب لوگ پہلے بولتے تھے"۔

اتنے میں ہم منزل مقصود کے قریب پہنچ گئے۔ مکان کے باہر چند ایک درخت موجود تھے جنکو دیکھکر میرے سر میں ایک بات آگئی۔ میں نے درخت کی طرف اشارہ کیا۔ اتنے میں ہم مکان میں داخل ہو کر کھانے کے کمرہ میں چلے گئے میں اور لیڈی موصوف میز پر ایک دوسرے کے پاس بیٹھ گئے۔ ابھی کھانے میں کچھ دیر تھی تو میں نے سلسلہ گفتگو کو یوں شروع کیا۔

میں۔ "ان درختوں کو آپنے دیکھا جو اجزاء اور ذرات مرکب ہو کر یہ درخت بنا دیتے ہیں۔ مثلاً کاربن۔ نیٹروجن۔ ہیڈروجن۔ اوکسیجن وغیرہ وغیرہ یہ سب کے سب تو پیدائش

درخت سے پہلے ہی موجود ہوتے ہیں۔ خدا کے ہاتھ سے ترکیب پاکر درخت بن جاتے ہیں۔ موجودہ مواد ترکیب پاکر نئی چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے۔ لیکن اس ترکیب کو ہم خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اسی طرح قرآن سے پہلے اگر عربی الفاظ منفرداً موجود تھے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُنکی کسی ترکیب سے اگر ایک کلام پیدا ہو تو وہ خدا کی طرف سے نہ ہو جو وہ الفاظ خدا کی طرف سے ترکیب پا سکتے ہیں"

لیڈی۔ لیکن تو پھر اس طریق پر ہر ایک مشہور الہامی کتاب کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس کے الفاظ بھی خدا کی طرف سے ہیں"۔

میں۔ "اور کتابوں کو تو آپ چھوڑ دیں کم از کم آپ بائبل کے متعلق نہیں کہہ سکتے۔"

لیڈی۔ "وہ کیوں"۔

میں"۔ آپ نے تو خود تسلیم کر لیا ہے کہ آپ بائبل کے الفاظ کو خدا کی طرف سے نہیں مانتے۔ یہی اب عیسائی محققین کی رائے ہے۔ اب ایک تشریح مجھ سے سُنکر آپ اپنی حیثیت نہیں بدل سکتے"۔

لیڈی۔ اچھا خیر لیکن یہ تو بتلائیں کہ جس صورت میں ہر ایک کلام موجودہ الفاظ کی ترکیب سے ہی بنتا ہے تو خدائی ترکیب اور انسانی ترکیب میں مابہ الامتیاز کیا ہو گا"؟

میں"۔ یہ معقول مطالبہ ہے مصنوعی درخت بھی بنالئے جاتے ہیں اور مصنوعی پھول تو آپکے صنف کی زیب و زینت ہیں لیکن کیا مصنوعی پھول خدا کے بنائے ہوئے پھولوں سے تمیز نہیں کئے جا سکتے"؟

لیڈی۔ وہ دیکھتے ہی ہم تمیز کر لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں انسانی ہاتھ لاکھ کوشش

کرے انسانی ہاتھ کی ترکیب قدرتی ترکیب کا مقابلہ کبھی نہیں سکتی۔ انسانی اور خدائی ہاتھ کی پیدا شدہ چیزوں میں بہت فرق ہے۔"

میں۔ تو پھر تو آپ نے اپنے سوال کا جواب دیدیا۔ کلام اور کتاب کے معاملہ میں ترکیب الفاظ سے جو شکل پیدا ہوتی ہے یعنی طرز بیان بندش الفاظ ترتیب مطالب وغیرہ وغیرہ یہی کسی کلام کی شکل و صورت ہے۔ قرآن نے اپنے منجانب اللہ ہونیکے ثبوت میں بار بار یہ مطالبہ کیا ہے کہ انہیں عربی الفاظ کو چھوڑ کر کوئی شخص قرآن کی طرح ایک سورت یا قرآن کی چند آیات بنا کر لے آئے۔ اس زمانہ میں لوگوں نے کوشش کی لیکن عاجز آگئے۔ فی زماننا بیروت کے بعض عیسائی عربی زبان کے فاضل موجود ہیں وہ بھی اس مقابلہ میں قاصر ہیں عیسائی عربی مصنف جرجی زیدان نے قرآن کی اس بےمثال فصاحت و بلاغت کو تسلیم کیا ہے۔"

لیڈی۔" قرآن کے اس دعویٰ کے متعلق تو میں نے بھی پڑھا ہے لیکن شکل و صورت کے سوا اور بھی خاصیتیں اور تاثیریں خدا کی بنائی ہوئی چیزوں میں ہوتی ہیں۔"

میں۔" یہ امر صحیح ہے۔"

لیڈی۔" تو قرآن کے متعلق۔"

میں۔ قرآن اخلاقی اور روحانی خوراک اپنے اندر رکھتا ہے۔ پھر یہ تو آپ تسلیم کرلیں گے کہ قرآن نے نازل ہو کر وحشی اور بداخلاق عرب کو اعلیٰ درجہ کا انسان بنایا حتیٰ کہ خود آپ انسکلوپیڈیا برٹانیکا میں قرآن کے آرٹیکل کے ماتحت یہ لکھا پائیں گے کہ قرآن صلاح اخلاق میں کل کتب کے مقابل" کامیاب ترین" ثابت ہوا تو پھر اس سے بھی ثابت ہوا یہ خدا کی کتاب ہے۔"

لیڈی:۔ہاں مجھے ایک بات یاد آگئی۔آپ نے قرآن کی ترکیب الفاظ کو درخت کی ترکیب عناصر سے مثال دیکر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ موجودہ مواد کے اجزاء کی کوئی ترکیب ربانی ترکیب ہو سکتی ہے۔یہ تشبیہ صحیح نہیں۔کیونکہ درخت کے اجزا اور عناصر خدا کے بنائے ہوئے ہیں لیکن قرآنی کلام نے جن الفاظ عربی سے ترکیب پائی ہے وہ تو انسانی ہے۔"

میں نہیں ہم مسلمان انہیں یعنی عربی زبان کو بھی الہامی زبان مانتے ہیں اور اسکیلئے دلائل بیّنہ رکھتے ہیں۔اب اگر عربی زبان الہامی زبان ثابت ہو جائے تو کل اعتراض رفع ہو جاتا ہے اتنے میں میز پر کھانا آگیا اور لیڈی موصوف نے یہ کہکر کہ "پھر کبھی" سلسلہ کلام کو منقطع کیا۔

ایک ایل ڈی سرنائٹ

مضمون۔عید الضحیٰ کی قربانی۔قربانی نہ بیرحمی ہے نہ اسراف نیتقال مدرکہ۔رفعت حیوانات بہ انسانیت۔

مقام۔ پر فرڈ ویکاریج متصل ووکنگ۔

میرے ایک معزز دوست سرنائٹ ہیں۔لنڈن میں معزز خدمات پر رہ چکے ہیں۔وہ اور انکا خاندان مجھ سے خاص محبت رکھتا ہے۔سنہ ۱۹۱۸ء کی عید الضحیٰ سے دو ہفتہ پہلے وہ ووکنگ سے دو میل پر مقام پر فرڈ چند ہفتوں کے لئے آرہے عید سے تین چار دن پہلے ایک دن اس مقدس تقریب میں شمولیت کی دعوت دینے کے لئے میں ان کے پاس گیا۔ اثنائے گفتگو میں قربانی پر بھی

فٹ نوٹ۔ دیکھو خواجہ صاحب کی کتاب ام الالسنہ۔

گفتگو چل پڑی جسمیں سے ذیل کا حصۂ گفتگو یہاں درج کرتا ہوں:-
سرنائٹ:- "آخر یہ اس قدر جو جانور ذبح ہوتے ہیں۔ کیا یہ امر رحم کے منافی نہیں۔ کیوں نہ اس کے عوض میں نقد خیرات دی جائے۔"
میں:- "یہ آپکا رحم عید کے دن ہی کیوں جوش میں آتا ہے۔ کم از کم آپ تو یہ اعتراض نہیں کر سکتے۔"
سرنائٹ:- "وہ کیوں۔ میں آپکا مقصد نہیں سمجھا؟"
میں:- "لیڈی (اہلیہ صاحبہ سرنائٹ) مجھے کہا کرتی ہیں کہ جس دن میز پر گوشت نہ آئے اُس دن آپکو کھانیکی طرف رغبت نہیں ہوتی۔ شاید آپکی میز پر کا گوشت جانوروں کے ذبح کئے بغیر آجاتا ہوگا۔ وہاں بھی کسی کی جان لے کر آپکی عادت گوشت خوری کو پورا کیا جاتا ہے۔ اس لئے مینے عرض کی کہ خاص عید کی قربانی کیوں آپکے رحم کی محرک ہوئی۔"
سرنائٹ:- "لیکن وہ ہماری آنکھ کے سامنے نہیں ہوتا۔ نہ ہم خود جانور خرید کر ذبح کرتے ہیں۔"
میں:- "یہ باتیں ایسے بزرگ کے منہ سے تو خوبصورت نہیں معلوم ہوتیں جو مجسٹریٹ بھی رہ چکا ہو کسی قتل کا اصل مجرم تو وہ ہوتا ہے جس کے اشارہ یا خرچ پر کوئی قتل ہو۔ لیڈی صاحبہ مجھے اکثر کہا کرتی ہیں کہ باورچی خانہ کی ضروریات میں سب سے بڑا اہل قصاب کا بل ہوتا ہے۔ اگر جانور کا ذبح کرنا بالفرض بمنزلہ قتل کے ہے تو پھر قصاب تو ایک اُجرتی قاتل ہے اصلی مجرم تو گوشت کھانیوالے ہیں۔ آپ گوشت خریدنا چھوڑ دیں۔ مذبوح جانوروں کی تعداد میں کمی واقع

ہو جائے گی۔ رہا یہ کہ قصاب آپکی آنکھ کے سامنے ذبح نہیں کرتے۔ قربانی بھی آپکی غیر حاضری میں ہو سکتی ہے"۔

سر نائٹ "لیکن بے ضرورت لاکھ ہا جانور ذبح ہو جاتے ہیں"۔

مَیں "ایک لنڈن شہر میں ہر روز کتنے ذبح ہوتے ہیں۔ چلو ایکدن وہ گنے سہی"۔

سر نائٹ "کم از کم اس کا نام اسراف تو آپ رکھیں گے"۔

مَیں۔ "اسراف تو یہ تُو ہو جو ضائع جائے۔ مَیں ایک بات آپ سے عرض کرتا ہوں گوشت ایک لذیذ اور مقوی غذا ہے۔ اس کے کھانے کے مستحق محتاج و غریب بھی ہیں لیکن غربا میں سے ایسے بھی ہیں جنھیں مہینوں گوشت نصیب نہیں ہوتا۔ اسلام نے مختلف شکلیں خیرات کی نکالی ہیں۔ جو ہم کھاتے ہیں اسمیں کبھی کبھی نادار کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔ چنانچہ عید کے دن اس سید طعام میں سارے شہر کے مفلس شریک ہو جاتے ہیں۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہم تو ایک وقت بھی گوشت کے بغیر نہ رہیں اور انہیں سال میں بھی ایک دفعہ نصیب نہ ہو"۔

سر نائٹ۔ "زید یا بکر کے فعل سے تو ایک امر ناجائز جائز نہیں ہوتا۔ اگر ہم لوگ گوشت کے عادی ہو گئے ہیں تو ہماری بھی غلطی ہے۔ اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ بیرحمی جانوروں پر نہیں ہوتی۔ کیا کبھی انسان نے ذبح ہونے والے جانور سے بھی مشورہ کیا ہے کہ اسکی جان پر کیا گذرتی ہے"۔

مَیں۔ "وہ مشورہ کے قابل ہستی ہی نہیں ہیں ہم تو اپنے کم سن بچوں سے کبھی مشورہ نہیں لیا کرتے۔ اگر بچوں کی نکتہ خیال سے کوئی بات تکلیف دِہ ہو لیکن ہمارے نزدیک وہ امر مفید ہو تو بچوں کی رائے آپ نہیں لیا کرتے۔ وہ لاکھ اُس چیز کو

تکلیف سمجھیں ہم گرگذرتے ہیں"۔

مسٹر نائٹ "اچھا گوشت تو ہم کھائیں۔ بکرے کی جان جائے لیکن یہ سب اس کے فائدہ کے لئے۔ خواجہ صاحب! یہ فلسفہ بھی کچھ نرالا ہی نظر آتا ہے"

میں "غنیمت ہے کہ میرا مخاطب ایک ذی علم اور فلسفی ہے۔ بات کرنیکا بھی یہاں ہی مزہ ہے۔ کائنات میں ہر ایک چیز رو بہ ترقی ہے ایک ہی قسم کے ذرات مختلف مقداروں میں ترکیب پاکر کچھ کا کچھ بنجاتے ہیں۔ کائنات کے اعلیٰ اور ادنیٰ طبقے اسی طرح پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن بعض وقت ادنیٰ طبقے کی چیز اعلیٰ طبقے کا جزو بدن ہوکر اعلیٰ ہوجاتی ہیں مٹی کے اجزاء نباتات کے مقابل کم رتبہ ہیں لیکن ایک بیج زمین میں دفن ہوکر اجزاء ارضیہ کو اپنی خوراک کرلیتا ہے۔ اور جس مٹی میں پہلے کوئی حرکت نہ تھی۔ اب اسمیں نمو اور بالیدگی پیدا ہوجاتی ہے۔ گھاس میں اور ایسا ہی دوسرے درختوں میں بالیدگی تو ہے لیکن اگر ان میں حرکت پیدا کرنی ہو یعنی وہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانے کے قابل ہوسکیں پھر اُن میں ادراک بھی ہو تو اسکا سہل علاج ایک ہی ہے یعنی وہ کسی جانور کی خوراک بن جاوے"۔

مسٹر نائٹ "تو کیا جانوروں کو کھاکر آپ انہیں انسان بناتے ہیں اور کیا وہ اس پر راضی بھی ہیں"؟

میں "آپ اس سے تو انکار نہیں کرسکتے کہ ایک بکرے میں وہ عقل وادراک نہیں جو انسان میں ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کے جسم اور گوشت نے انہیں اجزاء سے ترکیب پائی ہے جن سے انسان بنتا ہے۔ انسان کا گوشت۔ تعقل۔ تصور۔

تخیل۔ حافظہ جیسی قیمتی چیزوں کو اپنے اندر رکھتا ہے۔ بکرے کے گوشت میں صرف ایک ادنیٰ درجہ کا ادراک پیدا ہوا ہے۔ اب اگر وہی گوشت میرے گوشت میں جا ملے تو آپ فرمائیں کہ اس گوشت نے ترقی کی یا تنزل کیا۔ رہی جانوروں کی رضامندی۔ اسکا جواب میں عرض کر چکا ہوں۔ بچوں کی رضامندی اگر آپ لیں گے تو انمیں سے دس فیصدی بھی مدرسہ جانے پر راضی نہ ہوں گے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جس دن ایک بچہ کسی وہم سے اگر مدرسہ جانا نہیں چاہتا تو جو تکلیف اُسے والدین کے جبر تلے مدرسہ جانے میں ہوتی ہے وہ بکرے کی تکلیف سے کم یا زیادہ ہے خصوصاً جب یہ امر پیش نظر ہو کہ انسانی ادراک حیوانی ادراک کے مقابل زیادہ احساس رکھتا ہے"۔

سرنائٹ۔ "آخر ایک جان جاتی ہے اسکا احساس بہرحال زیادہ ہوگا"۔

میں۔ اگر اس امر پر آپ آئیں گے پھر مشکلات بہت بڑھ جاتے ہیں ڈاکٹر بوس کی تھیوری سے آپ واقف ہی ہیں۔ جانور چھوڑ نباتات میں درختوں میں پھلوں میں اور میرے نزدیک لکڑی اور پتھر میں بھی احساس ہے تو پھر آپ سبزیاں بھی کھانا چھوڑ دیں اناج کو بھی ہاتھ نہ لگائیں۔ ان تمام امور کی جوازیت اگر ہے تو یہی ہے کہ اگر ایک طبقہ کے افراد کسی نزدیک کے اعلیٰ طبقہ کے جسم میں منتقل ہو کر طبقہ آخرالذکر کے خواص کے مالک ہو سکتے ہوں تو یہ انتقال صحیح اور جائز ہوگا۔ لیکن اس انتقال میں پہلی ہستی کو چھوڑ دینا ہوگا"۔

سرنائٹ۔ "خواہ آپ کوئی بھی الفاظ استعمال کریں اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ جسے آپ انتقال یا منتقل ہونا کہتے ہیں اس کا دوسرا نام موت ہے"۔

میں۔"تو موت اور کیا چیز ہوتی ہے۔موت بھی انتقال مکان ہے۔بہشت کا مفہوم کچھ بھی آپ کے نزدیک ہو بہشتی زندگی اس زندگی سے بہتر ہے لیکن اس زندگی میں اگر آپ داخل ہونا چاہیں تو پھر موت کو پہلے بلا لیں۔ الغرض ادنیٰ طبقہ سے اعلیٰ طبقہ میں داخل ہونیکا دروازہ موت ہے"

سرنائٹ"۔تو کیا میں یہ سمجھوں کہ ان جانوروں کی جنت ہمارا جسم ہے"

میں۔آپنے تو صوفیانہ خیال کا ایک نکتہ معرفت بیان کر دیا۔بات یہی ہے ذرات عالم رو بہ ترقی ہیں۔ادنیٰ طبقے کا اعلیٰ طبقے میں جانا مقام رفعت کو جانا ہے اور او طبقہ ادنیٰ کا مقام اعلیٰ میں جانا گویا انکا بہشت میں داخل ہونا ہے۔موت اگر تبدیلی حالت سمجھ لیجئے تو جیسے مینے عرض کیا جس دروازہ سے گذر کر ادنیٰ مقام اعلیٰ کو پہونچتے ہیں اسکا نام موت ہے"۔

کشمیر میں اِسی مضمون پر ایک اسسٹنٹ سرجن صاحب سے گفتگو

مضمون۔اعلیٰ طبقے میں ادنیٰ طبقہ کا انتقال بذریعہ خوراک۔

مذکورہ بالا مضمون ہمیشہ ہی بحث میں آجاتا ہے جب ہمیں سبزی خور صاحبان سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے۔جون ۱۹۲۰ء میں میں کشمیر بغرض صحت گیا۔دورانِ سیاحت کشمیر میں مجھے چند دن ایک مشہور قصبہ میں قیام کرنا پڑا۔اس سفر میں ڈاکٹر غلام محمد صاحب ابق سول سرجن پارا چنار صوبہ سرحدی اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ

صاحب لاہور میرے رفیق تھے۔ انکے دیکھنے کو اُس قصبہ کے اسسٹنٹ سرجن صاحب
آگئے۔ کسی طریق پر یہی بحث گوشت خوری کی شروع ہوگئی۔ مینے مذکورہ بالا تقریر
کو جو سر نائٹ کے ساتھ ہوئی ہے ضروری ضروری تبدیلی کے ساتھ دُھرایا۔ اِسپر
ہمارے کرم فرما اسسٹنٹ سرجن فرمانے لگے :۔

اسسٹنٹ سرجن۔ "اگر اعلیٰ طبقے کو ادنیٰ طبقے کے کھاجانیکا حق حاصل ہے تو
جیسے کہ آپکی گفتگو سے نکلتا ہے تو مغربی اقوام کو حق حاصل ہے کہ مشرقی اقوام کو کھاجائیں"

میں۔ "یہ آپکا نتیجہ صحیح نہیں مَیں نے تو یہ عرض کیا ہے کہ حیوان اور انسان میں نفس
مدرکہ کا فرق ہے۔ انسان کا ادراک حیوان کے ادراک سے بہت بڑھ کر ہے۔ مثلاً
یہ مُرغی جو جج صاحب (ہمارے میزبان) کے دسترخوان پر آج تھی۔ اِسکے جسم میں بھی
وہی ذرات ہیں جو میرے اور آپ کے جسم میں ہیں اسکے جسم میں جس طور پر
وہ ذرات ترکیب پاتے ہیں وہ اس ادراک فہم اور عقل کو پیدا نہیں کرتے جو یہی
ذرات انسانی جسم کی ترکیب میں پیدا کرتے ہیں۔ اب وہی ذرات میرے جسم میں چلے
گئے ہیں جس سے ایک بالا عقل و فہم پیدا ہوگا لیکن کل انسانوں کے جسم کی ترکیب
ہر جگہ ایکساں ہے۔ خواہ مشرق ہو یا مغرب انسانی جسم ہر جگہ ایک ہی قسم کا ادراک
استعداداً پیدا کرتا ہے۔ اگر مغربی نفس مدرکہ (قویٰ فہم وعقلیہ) مشرقی نفس مدرکہ سے
الگ اور اعلیٰ پیدا ہوا ہوتا تو پھر ہمارے گوشت اُنکی خوراک ہو سکتے تھے لیکن نفس
مدرکہ کل انسانوں کا ایک ہے اسکی استعدادیں سب جگہ ایک ہی ہیں"۔

اسسٹنٹ سرجن۔ "وہ تو ہم سے عقل میں زیادہ ہیں"

میں "کسی وقت ہم ان سے عقل میں زیادہ تھے۔ ہندوستانی دماغ نے پہلے زمانہ

ہیں جو کمال حاصل کیا ہے وہ تو ابھی یورپ کو حاصل نہیں۔ کیا یہ صحیح بات ہے"؟
اسسٹنٹ سرجن۔ "یہ درست ہے"۔
مَیں۔ بات یہ ہے کہ کل انسانوں کے دماغ استعداداً ایک ہی ہیں کسی کو ترقی کا موقعہ ملگیا کسی کو نہ ملا۔ لہذا اگر ایک انسان دوسرے انسان کا گوشت کھائے تو مقتول انسان کے گوشت نے کھانے والے انسان کا حصّہ جسم ہو کر کوئی نئی استعداد پیدا نہیں کی۔ اسلئے ایک انسان دوسرے انسان کو نہیں کھا سکتا"۔

پریزیڈنٹ تھیوسافیکل سوسائیٹی فوکسٹن انگلنڈ

مضمون۔ گوشت خوری۔ مذمت لحم خنزیر۔
سنہ ۱۹۱۳ء کے اخیر میں بہ سرپرستی تھیوسافیکل سوسائیٹی مجھے لکچر دینے کیلئے فوکسٹن میں بلایا گیا بعض تھیاسوفسٹ لوگ یہی گوشت نہ کھانے کو اپنا شعار مذہب سمجھتے ہیں لیکن انکی سبزی خوری بھی نرالی ہے۔ انڈا مچھلی عموماً کھا لیتے ہیں بعض انمیں سے مرغ و طیور کا گوشت بھی نوش جان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ترک گوشت سے مراد سرخ گوشت کا چھوڑ دینا یعنی بکری۔ بھیڑ۔ گائے وغیرہ کا گوشت ہوتا ہے۔
اس دوران قیام فوکسٹن میں مجھے ایک شام تھیاسوفیکل ہال میں جانیکا اتفاق ہوا۔ اس سوسائٹی کے پریزیڈنٹ نے بھی گوشت ترک کیا ہوا تھا۔ چنانچہ سلسلہ گفتگو میں گوشت خوری زیر بحث آگئی۔ اس مجلس میں میرے ایک واقف مسٹر ہولڈن بھی تھے جن کے بعض مضامین سنہ ۱۹۱۳-۱۴ء کے اسلامک ریویو میں چھپے ہیں۔
پریزیڈنٹ۔ "ہم تھیاسوفسٹ گوشت نہیں کھاتے"۔

میں "میں آپکی بات نہیں سمجھا"۔

تھیاسوفی کوئی خاص مذہب نہیں اسمیں تو ہر مذہب کے لوگ شامل ہو سکتے ہیں مسلمان بھی اس کے ممبر ہو سکتے ہیں اور ہیں۔ پھر گوشت خوری اور غیر گوشت خوری کا سوال ہی کیا ہے"۔

پریزیڈنٹ "اکثر تھیاسوفسٹ نہیں کھاتے۔ بہر حال اس سے تو آپ نہیں انکار کر سکتے کہ گوشت کھانے سے انسان میں بیرحمی پیدا ہوتی ہے"۔

میں۔ "آپکی اس سے کیا مراد ہے۔ یعنی گوشت کو خوراک بنانے سے انسان میں بیرحمی پیدا ہو جاتی ہے"۔

پریزیڈنٹ۔ "ہاں"۔

میں "۔گوشت کے علاوہ بعض اور اجناس بھی ایسی ہیں کہ جنکے کھانے سے وہی چیز جسم انسانی میں پیدا ہوتی ہے جو گوشت پیدا کرتا ہے۔ مثلاً مختلف قسم کی دالیں ماش کی دال۔ باقلہ۔ مٹر۔ ان سب میں گوشت کے اجزاء ہیں۔ اور یہ تو آپکی میز پر برابر ہوتے ہیں"۔

پریزیڈنٹ۔ "پھر کیا مضایقہ"۔

میں۔ میں گوشت کھانے سے اپنے اندر بیرحمی پیدا کرتا ہوں۔ آپ ان چیزوں کے کھانے سے اپنے اندر بیرحمی پیدا کر لیتے ہیں۔ کیونکہ ان دو قسم کی خوراک سے ایک ہی چیز پیدا ہوتی ہے۔ بات تو ایک ہی ہے"۔

مسٹر ھولڈن "۔ تو کیوں ان سبزیوں اور دالوں کو نہ کھایا جائے۔ آخر گوشت خوری میں ایک جان کو تو تکلیف ہوتی ہے"۔

میں: تکلیف تو موجودہ تحقیق کے رو سے نباتات اور درختوں کو بھی ہوتی ہے جب آپ کوئی پھل اور پھول یا جنس نباتات سے کاٹتے ہیں۔ تو تکلیف انہیں بھی ہوتی ہے۔ مٹی سے ہم شکلیں ہیں۔ ہماری مختلف خوراکیں مٹی کے ہی مختلف شکلیں ہیں۔ اگر کسی جنس کی تکلیف کا خیال رکھنا ہے تو خواہ وہ حیوان ہے یا از قسم نباتات ہمیں کسی چیز کو خوراک نہ بنانا چاہیئے۔ بہتر ہے کہ ہم مٹی پر گذارہ کریں یہ سبزیاں ترکاریاں پھل پھول میوہ جات سب کے سب مٹی کی مختلف شکلیں ہیں اسی طرح مختلف حیوانات اور انسان۔ اسلئے بہتر ہوگا کہ ہم مٹی پر گذارہ کریں۔ کیونکہ مٹی کی دوسری شکلوں میں حساس درد پیدا ہو چکا ہے؟

مسٹر ھولڈن: انسانی جسم کی صحت اور بقا کے لئے ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ مٹی مختلف شکلیں بدلتے بدلتے انسان کا گوشت بنتی ہے۔ معدہ انسانی مٹی کو اُن مختلف شکلوں میں نہ گذار سکتا ہے نہ اس سے جسم انسان کا گوشت بنا سکتا ہے۔ کائنات میں نیچر ہی مٹی کو سبزی کی شکل تک پہنچا دیتی ہے۔ ہم سبزی کو معدہ میں بھیجکر گوشت بنا لیتے ہیں۔"

میں: آپنے تو اپنے سوال کا جواب دیدیا مٹی کھانے کے مقابل جب سبزی خوری کو اسلئے ترجیح دی گئی ہے کہ اس سے انسانی جسم و گوشت پوست جلدی بن جائیگا تو جانور کا گوشت انسانی جسم و گوشت کے بنانے میں سبزی سے زیادہ کام دیگا۔ سبزی سے گوشت بننے کے مقابل گوشت سے گوشت بنانا زیادہ اقرب ہے۔"

مسٹر ھولڈن: تو بہتر نہ ہوگا کہ ہم انسانی گوشت پر گذارہ کریں۔ چونکہ وہ جانور کے گوشت سے زیادہ قریب ہے۔"

میں۔ یہ بات تو صحیح ہے لیکن تمدن تو قائم نہیں رہ سکتا۔ نسل انسانی کا اسطرح ایک آن میں خاتمہ ہو جائیگا۔ کائنات میں ایک جنس یا ایک طبقہ دوسرے جنس یا طبقے کی خوراک ہو جاتا ہے۔ عموماً ایک ہی نوع کے افراد ایک دوسرے کو اپنی خوراک نہیں بناتے۔ ورنہ بقائے نوع مشکل ہو جائے گا۔"

ایک اور حاضرین "مچھلیوں کی بابت آپ کیا کہتے ہیں"؟

میں "نام کو تو وہ بھی مچھلی ہے لیکن وہ مچھلی نہیں۔ سمندری مخلوقات میں بھی مختلف انواع ہیں۔ ہم عدم علم کے باعث ہر ایک کو مچھلی پکارتے ہیں۔ وہاں بھی ایک نوع کی مچھلیاں ایک دوسرے کو خوراک نہیں بناتیں"۔

ایک اور حاضرین "آپ کے نزدیک انسان کی طبعی خوراک کیا ہونی چاہیئے۔ گوشت یا سبزی"؟

میں "دونوں چیزیں۔ آپ اپنے دانتوں کی وضع پر غور کریں۔ اگلے دانت گوشت خور جانوروں کے سے ہیں۔ پچھلے دانت بیل کے دانتوں کے سے ہیں یعنی سبزی خور پھر بیچ کے بھی دانت ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں ہر قسم کی خوراک کھانی ہے پھر ہمارا معدہ ایک متوسط معدہ ہے۔ سبزی خور جانوروں کے معدے بہت لمبے چوڑے ہوتے ہیں اور گوشت خور حیوانوں کے معدے بہت مختصر سے مثلاً بیل کا معدہ شاید دو ڈیڑھ گز لمبا اور شیر کا معدہ شاید ایک ڈیڑھ بالشت ہوتا ہے۔ انسان کا معدہ اوسط درجہ کا ہے اسلئے اسکی خوراک بھی متوسط ہونی چاہئیے کچھ گوشت کچھ سبزی"۔

پریزیڈنٹ "آپ لوگ تو نئی نئی بحثوں میں پڑ گئے۔ خواجہ صاحب! آپ یہ بتلائیں کہ گوشت خوری سے کیا جان کا نقصان نہیں ہوتا اور اس سے بیرحمی دنیا میں پیدا نہیں ہوتی

میں ۔ "یہ دو مختلف سوال ہیں ایک جان کا جانا اور ایک بیرحمی"۔

پریزیڈنٹ ۔ "مجھے تو دو مختلف نظر نہیں آتے لیکن آپ جس طرح چاہیں اس امر پر روشنی ڈالیں"۔

میں ۔ "رحم اور بیرحمی ایک اضافی امر ہے۔ کسی فعل کو بذات خود آپ رحم یا بیرحمی سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ حالات مختلفہ ہی ایک امر کو کبھی وقت ظلم کبھی وقت انصاف کسی جگہ محبت کسی جگہ بیرحمی کا نام دیتے ہیں۔ اگر جان کا لینا ہی بذات خود بیرحمی اور ظلم سمجھا جاتا تو ایک قاتل کو پھانسی پر چڑھانا جائز نہ ہوتا لیکن سوسائٹی کی حفاظت کے لئے جرائم پیشہ کو سزا دینا ہی محبت اور انصاف ہے۔ ہمارے جسم پر بعض وقت زہریلے دنبل پیدا ہو جاتے ہیں جنہیں صدہا کیڑے ہوتے ہیں جو زخم پر ہر روز آیوڈین لگا کر ہلاک کئے جاتے ہیں پھر عمل جراحی سے کیڑوں کی جانیں لے لی جاتی ہیں معاف فرما دیں یہ باتیں آپنے ہندوؤں سے لی ہیں جہاں چاروں طرف ہم جیو ہتیا جیو ہتیا سنتے ہیں یعنی جان کا لینا اب ہندوؤں کی ایک ضروری مذہبی رسم ہے جسے وہ ہَوَن کہتے ہیں۔ وہ آگ میں شہد گھی اور کستوری ملا کر جلاتے ہیں کستوری ہرن کی جان لیکر پیدا ہوتی ہے۔ شہد ہزارہا مکھیاں مار کر پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک پانی کے گلاس میں ہزارہا جانیں ہوتی ہیں جسے ہم پیتے ہیں۔ پھر ایک روٹی کو خوردبین کے نیچے رکھ کر دیکھ لیں ہزاروں ہزار جاندار چیزیں چلتی نظر آئیں گی۔ پھر آپ کے ارد گرد جو ہوا ہے اسمیں کروڑہا جاندار کیڑے ہیں۔ جو بذریعہ سانس اندر چلے جاتے ہیں ان واقعات کو دیکھکر یہی سمجھ آتا ہے کہ جس طرح ریت یا مٹی کے ذرات جمع ہوتے ہیں ایک

عظیم الشان پہاڑ بناتے ہیں یا انسانی پایہ سے وہ مکان کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح کروڑ در کروڑ غیر محسوس و غیر مرئی جاندار چیزیں مثلاً پانی کی شکل میں ہوا کی شکل میں نباتات اجناس اور ادنیٰ حیوانوں کی شکل میں نوع انسانی بنکر اس بڑی جان میں آ جمع ہوتی ہیں جسکا نام حیات انسانی ہے جسطرح ریت کے ذرّات اور چٹانی پتھر ملکر پہاڑ بناتے ہیں اور ایک بڑی ہستی کے نام تلے سے سب اپنی ہستی بھی قائم رکھتے ہیں اسیطرح چھوٹی موٹی جانیں مختلف طریق پر حیات انسانی میں آ جمع ہوتی ہیں۔ انکا فرداً فرداً نام تو نہیں رہتا لیکن انکی ہستی تو نہیں مٹتی جس چیز کا نام آپنے موت یا جان کا لینا یا مار ڈالنا رکھا ہوا ہے اگر اس سے وہ طریق یا رستہ تعبیر کیا جائے جس سے چھوٹی چھوٹی جانیں اپنے قالبوں کو چھوڑ کر بڑی جانوں میں جمع ہو جاتی ہیں تو یہ سارا سوال رحم اور بے رحمی کا ختم ہو جاتا ہے!

سر لیڈ بیٹر - میں یہ تو نہیں کہتا کہ میں آپکی باتوں سے متفق ہوں۔ البتہ آپکے بیان کی اور آپکی تشریح کی داد ضرور دیتا ہوں۔ اور اس مرتبہ آپنے ایک نکتہ خیال سے بہترین روشنی ڈالی ہے۔ اب آپ یہ بتلائیں کہ بعض گوشت بعض لوگ نہیں کھاتے۔ ہمیں عبث ثواب کی بحث آجاتی ہے کہتے ہیں ہندو گائے کا گوشت نہیں کھاتے مسلمان لحم خنزیر سے پرہیز کرتے ہیں۔ ایسا ہی آپ تو ہیں کبی اور گوشت سے پرہیز کرتی ہیں آخر یہ کیوں؟!

میں - ہندوؤں کے نزدیک گائے ایک مقدس جانور ہے اسلئے انہیں اس سے پرہیز ہے لیکن مسلمان سور کو پلید چیز سمجھتے ہیں اسکی فطرت میں پلید خوری ہے اسلئے مسلمان اس سے نفرت کرتے ہیں۔

حرمت لحم خنزیر

مَیں نے اس مسئلہ پر اسجگہ زور دینا پسند نہ کیا بدیں خیال کہ حاضرین میں سے بعض اس گوشت کے کھانے والے تھے۔ مزید تشریح ایک ذاتی حملہ ہو جاتی۔ البتہ ہی مضمون پر ایک مصری طالب علم سے گفتگو ہوئی جو اڈنبرا میں تعلیم طبابت کے لئے آئے ہوئے تھے غالباً انکا نام رؤف تھا مَیں ۱۹۱۷ء میں ایک نکاح کی تقریب پر وہاں گیا۔ یہ مصری طالب علم جہاز میں میرے واقف ہو چکے تھے وہ مجھے اڈنبرا میں ملے اور ایک شام کو جب ہم سیر کو نکلے تو اُن سے دورانِ گفتگو میں مَیں نے دریافت کیا کہ کیا انہیں لحم خنزیر پر غور کرنیکا موقعہ ملا ہیں کے جواب پر انہوں نے کہا:

ڈاکٹر رؤف:۔ "شور کا گوشت سب سے زیادہ قوی ہضم کو تباہ کرتا ہے۔ پھر سور میں امراض متعدی کے جذب کر لینے کی سب جانوروں سے زیادہ استعداد ہے اس کے گوشت کھانے سے وہ استعداد جذب امراض انسان میں آسکتی ہے۔ پھر اسمیں کثرت سے رنگ ورم (جہراثیم گردی) ہوتے ہیں جو لوگ کثرت سے اسکو کھاتے ہیں انکے جسم میں وہ کیڑے کثرت سے پیدا ہو جاتے ہیں اور برابر جسم میں رہتے ہیں جسم سے ہرگز نہیں نکلتے۔ طبی معائنہ سے یہ امر ثابت ہو چکا ہے"

مَیں:۔ "تو یوں کہئے کہ انکا جسم سور کا جسم ہو جاتا ہے"

ڈاکٹر رؤف:۔ "سور کے جسم کی کیفیت ایک حد تک اُن میں پیدا ہو جاتی ہے"۔

مَیں:۔ "آپنے تو یہ کہکر مسئلہ حرمت لحم خنزیر کی حقیقت پر روشنی ڈالدی"

ڈاکٹر رؤف:- آپ غالباً کچھ دلچسپ اور مفید اضافہ میرے علم میں کریں گے اس کی ذرہ آپ تشریح کر دیں۔"

میں۔ یہ تو آپکو علم ہو گا کہ حیوانی جسم ایک ہی قسم کے ذرات سے بنا ہے۔

ڈاکٹر رؤف:- "ہاں یہ صحیح بات ہے۔ ترکیب اجزا میں مختلف اجزاء مختلف مقداروں میں مختلف اجسام حیوانی جمع کر لیتے ہیں۔ مثلاً سور کے اجزاء جسم اور بکرے کے اجزاء جسم ایک ہی ہیں۔"........

میں:- "اور انسان کے جسم کے اجزاء بھی۔"

ڈاکٹر رؤف۔ "ہاں صحیح ہے۔ فرق یہ ہے کہ بعض اجزاء اگر سور میں زیادہ ہیں تو وہ بکرے میں کم ہیں اور جو بالفرض بکرے میں زیادہ ہیں تو سور میں کم۔"

میں:- "تو اسی اختلاف سے مختلف شکلیں مختلف اعضا مختلف دل دماغ پیدا ہوئے۔"

ڈاکٹر رؤف:- "بلاشک۔"

میں:- "مختلف جانور اپنی عادات اور اخلاق میں بھی ایکدوسرے سے الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس اختلاف عادات کا باعث بھی وہی اختلافات مقدار اجزاء ہونا چاہئے۔"

ڈاکٹر رؤف۔ "یہ تو لازماً ہو گا۔"

میں:- گویا اختلاف مقدار اجزائے مختلف جانوروں میں مختلف قسم کے گوشت پوست دل و دماغ۔ عادات اخلاق پیدا کئے۔ گویا یوں کہنا چاہئے کہ خاص مقدار کے اجزاء خاص جانوروں میں خاص عادات پیدا کرتے ہیں لہذا جس جانور کا کوئی گوشت کھائے گا وہ ان اجزاء خاصہ کو جنکی زیادتی کے باعث اس جانور میں خاص عادات پیدا ہو چکے ہیں اپنے جسم میں بڑھا کر اس

جانور کے آداب و اخلاق اپنی طبیعت میں منتقل کر لیگا"
ڈاکٹر ڈف "گویا جو سور کھاتا ہے وہ سور کے اخلاق اپنے اندر منتقل کر لیتا ہے"۔
میں "بیشک میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں اسکی عادات اچھی نہیں۔ پلید اور نجس چیزوں کی طرف اسے طبعاً میلان ہے۔ اچھی خوراک سے اسکی طبعی میلان تو نہیں بدل سکتی۔ پلید اور گندی جگہوں میں یہ رہنا پسند کرتا ہے ویسے ہی بڑا بے غیرت اور دیوث جانور ہے۔ کل جانوروں میں شاید یہی ایک جانور ہے جو ہیجان وجوش میں خلاف وضع فطری امر سے نہیں رکتا"۔

اعلیٰ طبقہ انگلستان کا ایک نومسلم

مضمون۔ اوقات نماز۔ ضرورت وضو۔

مقام۔ نومسلم کی رہائش گاہ۔

انگلستانی معزز طبقہ کے جس شریف النسل دوست کا پہلے عنوان میں حوالہ دیا ہے وہ سنہ ۱۹۱۲ء میں مجھے اکثر اپنے ہاں مدعو کرتے تھے۔ وہ خود بھی دوسرے تیسرے ہفتہ ووکنگ میں آکر میرے ساتھ رہتے تھے لیکن انکے اعلان اسلام سے چند ماہ پہلے اور چند ماہ بعد میں عموماً ہر ہفتہ ایک دو دن کے لئے انکی درخواست پر انکے ساتھ رہا کرتا تھا اسکی اصل غرض انہیں شعار اسلام سے واقف کرانا تھا۔ اس عرصہ میں ہر ایک قسم کی گفتگو ہوا کرتی تھی لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ چند باتوں کے سوا اور وہ بھی بہت تھوڑی تھیں۔ اس محترم انسان کو اسلام کے سمجھنے میں چنداں دقت نہیں ہوئی وہ خود بھی صاحب مطالعہ تھے۔ قرآن کے متعدد مقامات

ہم ہیں زیر بحث آئے۔
قبول اسلام پر میں ہر نو مسلم کو اپنی ایک مختصر تصنیف موسوم بہ "اسلام اور مسلم نماز" دیدیا کرتا ہوں اور یہ بھی بتلا دیا کرتا ہوں کہ وضو کے بغیر نماز نہیں ہوا کرتی اور کن کن حالات میں تجدید وضو کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعد میں نماز کے متعلق میں جو کچھ سکھلانا چاہتا ہوں وہ اپنے عمل سے سکھلاتا ہوں۔ ان لوگوں میں اور میرے نزدیک ہر جگہ شائستہ سوسائیٹیوں میں لفظی تکرار کے مقابل معلم کا عمل ہی ایک بہترین طریق تلقین ہوا کرتا ہے۔ پنج وقتہ نماز کے متعلق ایک دن مجھ میں اور اس شریف میں ذیل کی گفتگو ہوئی:۔

شریف۔ "نماز کے لئے پانچ وقت مقرر کرنے میں آخر تو کوئی حکمت ہوگی۔ کیونکہ ہمارے نبی کی ساری باتیں تو حکمت ہی حکمت ہیں"۔

میں۔ "مسیح کا مقولہ آپکو یاد ہو گا کہ انسان کلام خدا کیلئے بنایا گیا ہے نہ طعام کیلئے"۔

شریف۔ "دہنگ، ہاں جنرل گارڈن نے ہماری قوم کے متعلق ٹھیک لکھا ہے کہ انگریزی قوم طعام کے لئے پیدا ہوئی نہ کلام کے لئے۔ نہیں۔ اس بات میں کلام نہیں کہ ہمیں آٹھوں پہر یاد خدا میں رہنا چاہیئے"۔

میں۔ "قرآن نے بھی اعلیٰ روحانیت پر پہنچے ہوئے انسانوں کا یہی نقشہ کھینچا ہے والذین ھم علیٰ صلواتھم یحافظون ہ یعنی وہ آٹھوں پہر نماز میں ہوتے ہیں۔ وہ ہر کاروبار میں خدا کو سامنے رکھتے ہیں۔ انکا کوئی فعل خدا کے منشا کے خلاف نہیں ہوتا۔ اس روحانی کیفیت کے پیدا کرنے کیلئے ہی تو پانچ وقتہ نماز نے عملی شکل اختیار کی۔ عمل سے ہی ایک چیز پختہ ہوتی ہے۔ یہ ایک قسم کی مشق ہے"۔

شریف۔ "یہ صحیح بات ہے۔ انسان کو ہر وقت نماز میں ہونا چاہیئے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ کسی نہ کسی وقت انسان کو ہمہ وقت نماز کی شکل عملی بھی اختیار کر لینی چاہیئے۔ عیسائی صبح اور شام نماز پڑھ لیتے ہیں کیا یہ کافی نہ ہوگا۔"

میں۔ "شاید الفاظ مسیح ہی اس پنجوقتہ نماز کی بھی تشریح کر دیں۔ مسیح کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کا نام انسان ہے وہ اسکی روح ہے جسم کا حصہ انسان تو حیوانوں میں بھی ہوتا ہے۔ اب جس طرح جسم خوراک سے طاقت میں رہتا ہے اسی طرح روح بھی عبادت سے طاقت پاتی ہے۔"

شریف۔ "اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ نماز روح کی خوراک ہے۔"

میں۔ "لیکن کیا انسان کو نہ چاہیئے کہ سارے دن کیلئے ہمارے ہندوستان کے پوربیوں کی طرح ایک ہی دفعہ کھانا کھالے یہ قوم ہندوستان میں آجکل سائیسوں دھوبیوں کا کام کرتی ہے اور بہت ادنیٰ درجہ کی عقل رکھتے ہیں۔"

شریف۔ "میں ان سے واقف ہوں میرے قیام ہندوستان میں ایک پوربیہ میرا بھی ملازم تھا لیکن سارے دن میں ایک وقت کا کھانا تو ہی ہضمیہ کیلئے تو مفید نہیں۔"

میں۔ "اکٹھے ایک وقت یا دو وقت کھانے کے مقابل طبعاً صحت اسی میں ہے کہ انسان چار پانچ وقت تھوڑا تھوڑا کھالے۔"

شریف۔ (مسکرا کر) "تو آپکے خیال میں غذائے روح یعنی نماز بھی پانچ چار وقت ہونی چاہیئے۔"

میں۔ "مسیح کے مذکورہ قول کے مطابق یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ دراصل مسیح کی اصلی عزت کرنیوالے تو ہم ہیں۔ ہمنے ہی انکے الفاظ کی عملاً قدر کی۔ ہم انکے حکم کی ماتحت کھانے

پر نماز کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم یہ کرتے ہیں کہ دسترخوان پر جانے سے پہلے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اب آپ ایک ایک کر کے گنیں کہ آپ کتنی دفعہ ہر روز مجھے کھانے کے لئے میز پر بلاتے ہیں۔"

شریف۔ "چاشت کیلئے یعنے بستر چھوڑنے پر منہ ہاتھ دھونے کے بعد"۔

میں۔ "اس سے پہلے میں صبح کی نماز پڑھ لیتا ہوں۔"

شریف "پھر آپ لنچ کو آتے ہیں۔"

میں۔ "اچھا وہ ظہر کا وقت ہے۔"

شریف۔ "پھر سہ پہر کی چاء۔ اور آپ کہیں گے عصر کی نماز۔"

میں "ٹھیک" اب رہا رات کا کھانا اس سے پہلے ہم مغرب کی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ پھر سونے کے وقت جس وقت آپ لوگ چائے کافی اور بسکٹ نوش جان کرتے ہیں اس کے ساتھ ہم نماز عشاء ادا کرتے ہیں۔"

شریف۔ "یہ تو آپنے خوب مقابلہ کیا لیکن کاروباری آدمی اور عام طبقے کے لوگ عموماً صرف تین وقت کھانا کھاتے ہیں۔"

میں۔ "ہمارے ہاں بھی حسب ضرورت مصروفیت خصوصاً جب انسان اپنے وقت کا مالک نہ ہو تو تین ہی نمازیں ہم ادا کرتے ہیں۔ ظہر عصر۔ اور ایسا ہی مغرب عشاء کو ہم ملا لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض لوگ تین ہی نمازیں پڑھ لیتے ہیں۔"

شریف۔ "ہاں وضو کیوں کرنا پڑتا ہے۔ پیغمبر صاحب کا زمانہ شاید حفظان صحت کے لحاظ سے کھلنے دھونے کا زیادہ محتاج تھا۔ اسلئے صفائی جسم کیلئے پانچ وقت کا وضو رکھدیا ہوگا لیکن آجکل تو صفائی جسم کے ہر طرح سامان پیدا ہوگئے ہیں

ہم صبح اُٹھ کر سب سے پہلے غسل کر کے جسم کو پاک و صاف کر لیتے ہیں تو کیا پھر بھی ضروری ہے کہ ہر وقت نماز سے پہلے وضو کریں"۔

میں نے مصلحتاً اس سوال کا جواب نہ دیا۔ سرسری کہہ دیا کہ سوچ کر کہہ دونگا۔ ایک ہفتہ تک میں نے اس مضمون کو اسلئے نہ چھیڑا کہ یہ بات بھول جائے۔ اعلیٰ طبقے کے لوگوں میں وہاں یہ طریق ہے کہ جسوقت بھی میز پر جاتے ہیں تو از سر نو منہ ہاتھ دھو لیتے ہیں۔ ایک دن جب کسی کھانے کا وقت قریب آیا۔ تو اتفاقاً شریف مذکور نے مجھ سے یہ کہنے کی بجائے کہ اُٹھو کھانے پر چلیں کہا کہ جاؤ منہ ہاتھ دھو آؤ۔ میں نے اسے جواب کہا یہ کیا کھیل آپ لوگوں نے بنا رکھی ہے صبح اُٹھکر جب ایک دفعہ غسل کر لیا تو پھر یہ کیا ضروری ہے کہ ہر کھانے کے وقت منہ ہاتھ کو از سر نو دھویا جائے"۔

شریف "کیا حرج ہے جسم میں ایک قسم کی تازگی آ جاتی ہے۔ چہرہ صاف ستھرا ہو جاتا ہے"۔

میں "کھانے کے لئے آپکو تر و تازگی کی ضرورت ہے لیکن غذائے روح یعنی نماز کیلئے تر و تازگی کی ضرورت نہیں، پانی میں ایک زندگی ہے قرآن نے تیرہ سو برس ہوئے دنیا کو اس حقیقت سے آشنا کیا کہ پانی ہی زندگی ہے۔ آج اہل علم نے بھی اس امر کو تسلیم کر لیا ہم نماز سے پہلے جو وضو کرتے ہیں تو اس سے بھی مردہ جسم کو زندہ کرنا ہوتا ہے۔ وضو میں اُن اعصاب پر پانی ڈالتے ہیں کہ جن کے ذریعہ جھوں کے راستے پانی کا اثر سارے جسم پہنچ جاتا ہے۔ سر کو تو منہ دھو کر ہم ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ اور ہاتھ اور پاؤں دھو کر سارے جسم کو تازہ کر لیتے ہیں۔ آپ اپنے ہاتھ اور پاؤں کو کچھ منٹوں کیلئے پانی میں رکھیں تو کل جسم سرد ہو جائیگا"۔

شریف سر کو کیوں نہیں آپ دھوتے صرف مسح پر کیوں اکتفا کیا جاتا ہے"
میں۔ بعض طبایع کے لئے اسمیں خطرۂ مرض ہے۔ خاصکر سرد ممالک میں سر پر پانی ڈالنے سے خطرناک زکام ہوتا ہے"۔

مسٹر جانسٹن

مقام۔ لنڈن مسلم ہوس۔

مضمون۔ نماز کے ارکان۔

مسٹر جانسٹن ایک نوعمر جوان تھے جنکا ایک خط مجھے اکتوبر ۱۹۱۶ء میں ملا اسمیں انہوں نے اسلامک ریویو کا ایک مضمون بعنوان ملت ابراھیم از حد پسند کیا اور یہی مضمون انکے میلان بہ اسلام کا موجب ہوا۔ اس خط کے بعد ایک خط میں شعار نماز کے متعلق انہوں نے چند باتیں لکھیں۔ ایک دن ان سے زبانی گفتگو بھی ہوئی جسپر انہوں نے اپنا اطمینان ظاہر کیا۔ یہ باتیں اسلامک ریویو میں غالباً آچکی ہیں۔ اس گفتگو کو میں یہاں درج کرتا ہوں:۔

جانسٹن۔ "میں تو جیسے میں نے خط میں لکھا تصور اور دھیان کا نام نماز رکھنا چاہتا ہوں"۔

میں۔ "ہر ایک مذہب نے قریب قریب نماز کو یہی سمجھا ہے"۔

مسٹر جانسٹن۔ "تو پھر یہ حرکات سکنات۔ اٹھنا بیٹھنا کیا ہے یہ تو کچھ غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ نماز تو روح ہے اُسے شکل کی کیا ضرورت ہے یہ تو رسمیات ہیں"۔

میں۔ نماز واقعی روح ہے لیکن آپکے جسم میں جو روح ہے اُس نے بھی اظہار

کی ایک شکل اختیار کی ہے"۔ جسم کا نام تو مسٹر جانسٹن نہیں۔ وہ تو روح ہے۔ لیکن پھر بھی اسکی شکل ظاہری کا نام جسم ہے۔

مسٹر جانسٹن۔ "آپ خاص نماز کے متعلق مجھے سمجھائیں"۔

میں۔ "بہت اچھا آپ مجھے یہ فرمائیں کہ جسکا نام آپ نے تصور یا دھیان رکھا ہے اسکے لئے بھی آپکا جسم کوئی وضع اختیار کریگا۔ مثلاً آپ بیٹھکر آنکھیں بند کرلیں گے یا لیٹ جائیں گے۔ آخر یہ بھی تو ایک صورت ہوگی۔ آپ رسمیات کو چھوڑ دیں قرآن نے رسمی حصے مذہب کو تو یہ کہکر ختم کر دیا ہے کہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ پھیرنیکا نام نیکی نہیں لیکن ساتھ ہی اسلام نے مذہب میں وہ باتیں قائم رکھی ہیں کہ جنکو ہم چھوڑ نہیں سکتے۔ اس لئے وہ رسمیات ہیں رسمیات نہیں مثلاً نماز میں قیام و قعود وغیرہ یہ حرکات و سکنات تو نماز نہیں مگر یہ ضروری ہیں اور ان کے سوا نماز بھی نہیں ہو سکتی"۔

مسٹر جانسٹن۔ "میں آپکا مطلب نہیں سمجھا"۔

میں۔ "آپ کس طرح دھیان یا تصور کریں گے"۔

مسٹر جانسٹن۔ "جھکر آنکھیں بند کرکے۔ دو زانو بیٹھکر"۔

میں۔ "بندہ بھی غرض کے لئے آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہیں خیر تو آخر یہ ایک شکل ہوئی۔ آپ کوئی ایسی شکل مجھے بتلائیں جسمیں جسم کوئی بھی شکل و وضع اختیار نہ کرے۔ کیونکہ اسی صورت میں بقول آپکے رسمیات سے نماز خالی ہوگی"۔

مسٹر جانسٹن۔ "یہ تو ناممکن ہے"۔

میں۔ "تو پھر نماز میں کوئی وضع اختیار کرلینا رسم نہیں ضرورت ہے۔ آپ اگر

جسم اور ذہن کے تعلقات پر غور کریں تو آپ سمجھ لیں گے کہ جسم کی حرکت و نشست کا ایک خاص اثر دل و دماغ پر پڑتا ہے۔ کسی کا دل کسی طور پر جمتا ہے کوئی بیٹھ کر وہ روحانی لذت حاصل کر لیتے ہیں جو دوسرے کھڑے ہو کر پا لیتے ہیں۔ پھر ایک ہی انسان کسی وقت اور میں سمجھتا ہوں کسی خاص موسم میں جسم کو ایک وضع پر رکھ کر جو کیفیت قلب حاصل کرتا ہے وہی بات اُسے دوسرے وقت نصیب نہیں۔ مثلاً سرد ممالک میں بیٹھنے سے ہی اکثروں کو اطمینان قلب ہوتا ہے اور گرم ممالک میں سر سے لیکر پاؤں تک پسینہ مجبور کر دیتا ہے کہ کھڑا ہو کر انسان کچھ کام کرے تعلیم ایک دماغی کام ہے۔ بعض طالب علم کھڑے ہو کر مطالعہ میں مصروف ہوتے ہیں دوسرے عموماً میز کرسی پر بیٹھ کر لیکن میں آپکو اپنی بات بتلاتا ہوں کہ میں نے عموماً لیٹ کر مطالعہ کتب کو زیادہ مفید پایا ہے۔ معاملہ نماز میں میں آپکو اپنی کیفیت قلب بتلاتا ہوں مجھ پر جب کبھی کوئی کیفیت طاری ہوتی ہے تو سجدہ میں اور اس کے بعد قیام میں"۔

مسٹر جانسٹن۔ یہ امر مجھے سمجھ آتا ہے خصوصاً آپنے جو طالب علموں کی مثال دی ہے۔ تو پھر یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہر ایک انسان وہ وضع اپنے لئے مہیا کرے جسمیں اُسے کافی حظ حاصل ہوتا ہو۔ کل وضعیں کیوں ہر ایک انسان پر لازم ہیں"۔

میں۔ اسلئے کہ جماعت مسلمین میں ہم آہنگی ہے علاوہ ازیں آداب و خیالات قدیمہ کا بھی اثر دل و دماغ پر ہوتا ہے شکایت مذاہب والے عبادت کے وقت

مختلف وضع اختیار کر لیتے ہیں جیسے وضع کسی خاص کام کے متعلق بچپن
سے کوئی شخص دیکھتا آیا ہو طبعاً وہی وضع وہ اس امر میں اختیار کر لیتا ہے
اور اسکی دلی کیفیت بھی ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ یہ سجدہ۔ رکوع۔ قیام۔ قعود
یہ سب مختلف قوموں کی عبادات میں علیحدہ علیحدہ موجود ہیں۔ اسلام سے
پہلے یہ سارے انداز الگ الگ قوموں میں موجود تھے اسلام سب کیلئے ایک
مشترک مذہب لایا۔ اسلئے اس نے اپنی نماز میں ساری وضعوں کو اختیار کر لیا۔
تاکہ جس مذہب سے نکلکر کوئی شخص اسلام میں آوے اپنی موجودہ نماز میں جیسا اپنی وضع
ساتھ پائے حسب حال حظ اٹھائے۔ لیکن اگر ہر ایک شخص نماز میں وہ
وضع اختیار کر لیتا جو اسے مرغوب تھی۔ تو پھر مسلمانوں میں نماز کی ایک وضع نہ
رہتی۔ کل مسلمانان عالم کی وضع تو نماز کے وقت ایک سی ہونی چاہئیے لیکن نماز
کے اوضاع اتنے جامع ہونے چاہئیں کہ کل دنیا کی نمازوں کی وضع بطریق احسن آ جائیں
مسٹر جانسن۔ جو آپ کہتے ہیں وہ ٹھیک معلوم ہوتا ہے لیکن میں تو تصور
و فکر کا زیادہ قائل ہوں۔ یہ جو ہر مذہب میں اپنے فقرات دھرا دیئے جاتے
ہیں اسکا کوئی خاص فائدہ ہے؟ میرے نزدیک تو الفاظ دھرانے سے
جما ہوا خیال بدل جاتا ہے۔"

میں۔ ایک حد تک آپ صحیح کہتے ہیں تفکر ہی اصل عبادت ہے لیکن
آپ اگر فطرت انسانی پر غور کریں تو آپکو معلوم ہو جائیگا کہ تفکر اگر کسی خاص
امر کا کرتا ہو تو اس امر کی تصویر ذہن میں رکھنے سے تفکر میں کمال پیدا
ہو جاتا ہے۔ بت پرستی کی وجہ بھی لوگ یہی بتلاتے ہیں لیکن بت پرستی

کے مضرات سے بچنے کے لئے ہمارے لفظ ہمارے خیال کی تصویریں ہو جاتی ہیں
نماز میں اگر آپ تفکر کریں گے تو عموماً اپنے نقصوں پر غور و فکر کریں گے۔ اور ساتھ
ساتھ خدا کی اُن صفات پر غور کریں گے۔ جن کے ماتحت وہ آپ کے نقص
رفع ہو سکتے ہیں اسی طرح روح نماز یا اصل نماز حمد و شکر گذاری ہے۔ یہ شکر گذاری
بھی کسی خاص خدا کے عطیہ اور اُسکی نعمت میں ہوتی ہے۔ ہم بعض وقت اپنی
کوششوں میں ناکام ہوتے نظر آتے ہیں ہمیں اندھیرے میں کوئی رستہ
نظر نہیں آتا ہم مجبوراً خدا کو سامنے رکھکر تفکر کرتے ہیں اس خیال سے کہ وہ
ہمیں رستہ دکھلائے بعض وقت ہم صحیح رستہ پر تو ہوتے ہیں لیکن پرواہ نہیں
کرتے یا اُدھر اُدھر ہو جاتے ہیں الغرض یہی باتیں ہیں جن کیلئے ہمیں خدا کی
جناب میں حاضر ہو کر تفکر کرنا ہوتا ہے۔ خواہ ان امور کا تعلق جسم سے ہو یا
روح سے دُنیوی معاملات ہوں یا دینی ہے۔ نماز جسکا نام آپ تفکر رکھتے
ہیں وہ انہی باتوں کا تفکر ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ہم مسلمان اپنی نماز میں انہی
باتوں کا تصور کرتے ہیں۔ مثلاً ہم ہر وقت قرآن کی ابتدائی سورت پڑھتے
ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے:۔

اے خدا ہم تیری ربوبیت کیلئے تیرا حمد و شکر ادا کرتے ہیں تو نے ہمیں ہماری
ضروریات کے رفع کیلئے بلا ہمارے محنت و استحقاق اور بلا مُنہ مانگے
فیض رحمانیت سے ہمیں نعمتیں عطا فرمائیں ہم کو تو ہمارے ایک عمل کے عوض
میں سزا یا نعمتیں بخشتا ہے۔ ہم غلطی کا میں لیکن تو جزا و سزا کا مالک ہے
ضروری نہیں کہ ہمکو سزا ہی دے ہم تو اپنی طرف سے تیرے حکموں کی اطاعت

کرتے ہیں لیکن ہم میں نقص ہیں اسلئے اس معاملہ میں بھی تجھ سے اعانت چاہتے ہیں ہمیں حصول مدعا کے لئے کوئی آسان اور سیدھا راستہ دکھلا دے جس پر چلکر ہم بھی کامیاب لوگوں میں داخل ہو جائیں۔ ہاں ایسا نہ ہو کہ ہم رستہ پا کر راستہ پر نہ چلیں یا ہمارا پاؤں پھسل جائے۔ یہ مسلم نماز کا ترجمہ ہے۔ ایک عاجز انسان کی روح سے خواہ کوئی امر اسکے سامنے ہو یہی الفاظ نکلیں گے"۔

مسٹر جانسٹن۔ "بہت سے یورپین مصنفین نے اعتراف کیا ہے کہ مسلمانوں کی یہ نماز انسانی روح کی خواہش کا ایک بہترین اظہار ہے لیکن انہی امور پر کیوں تفکر نہ کیا جائے"۔

میں۔ "بالکل صحیح۔ اور اسکا جو حصہ انسان کے مناسب حال ہو اسپر وہ ٹھہر کر تفکر کر سکتا ہے لیکن اس امر سے آپ انکار نہیں کر سکتے ہیں کہ انسان کا غور و فکر ایک بے لگام گھوڑے کی طرح ہے انسانی تصور آن واحد میں زمین سے آسمان پر پہنچ جاتا ہے۔ ہاں جس طرح گھوڑے کو لگام دیکر آپ خاص راہوں پر چلا سکتے ہیں اسی طرح عبادت میں تصور و تفکر کو جس خاص مقام پر آپ رکھنا یا لے جانا چاہیں اس کے لئے زبان نے جو لفظ تجویز کئے ہیں وہ تفکر کے سامنے لے آئیں تو آپکا تصور ایک ٹھکانے کام کریگا۔ ورنہ بدلگام گھوڑے کی طرح کہیں کا کہیں جاویگا۔ لیکن تفکر کا کامل حظ بھی الفاظ دھرانے سے ہی ہوتا ہے۔ آپ نے کبھی کوئی شعر نہیں گایا"۔

مسٹر جانسٹن۔ "ہاں بیسیوں دفعہ خصوصاً دل کے بہلانے کے لئے بلکہ غم غلط کرنیکا یہ بہترین مشغلہ ہے"۔

میں" تو آپ ایسے وقت ترنم نہ کیا کریں نہ گُن گنایا کریں۔ بلکہ شعر کے مطلب پر ہی غور و فکر کرتے رہا کریں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ شعر کا پورا حظ اُسی وقت آتا ہے جب انسان اسے زبان پر لائے۔ اپنے دل سے ہی نکلی ہوئی بات جب زبان پر آتی ہے تو انسانی دماغ اس سے کچھ کا کچھ نکال لیتا ہے لیکن اگر وہ دل ہی دل میں رہے تو اُسمیں ترقی نہیں ہوتی۔ اس حقیقت کو کسی مصنف سے آپ دریافت کریں کہ جس وقت وہ کاغذ پر اپنے خیالات کو لانے بیٹھتا ہے پہلے وہ کچھ سوچتا ہے پھر لکھنا شروع کرتا ہے۔ لیکن دوران تحریر میں اُسکی قلم سے اسکا غور و فکر وہ باتیں نکال لاتا ہے جو سوچنے کے وقت یا اُس سے پہلے اُسکے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔ یہی بات فکر و تصور کے متعلق ہے لفظ کو زبان پر دھرانے سے تفکر و تصوران مقامات عالیہ پر پہنچ جاتا ہے۔ بصورت دیگر یہ امر خارج از امکان ہے۔"

لارڈ ہیڈلے بالقابہ

مضمون بالا پر لارڈ موصوف سے بھی ایک دفعہ گفتگو ہوئی لیکن انکا انداز گفتگو کبھی معترضانہ دلقع نہیں ہوا۔ ایک دن انہوں نے بھی یہی دریافت کیا کہ کیوں نماز ایک ہی وضع پر ادا نہ کیجائے۔ بہت سی باتیں اس موضوع پر ہوئیں جن کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ البتہ مضمون زیر بحث کی تکمیل کے لئے ذیل کی باتوں کا ذکر کر دیتا ہوں۔

"لارڈ موصوف" آخر نماز تو حمد و شکر گذاری ہے۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا

کوئی ٹھکانا نہیں۔ قرآن نے ٹھیک کہا ہے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں گننا چاہیں تو انکا اندازہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ تو انسان کا فرض ہے کہ خدا کے حمد و شکر میں انسان لگا رہے مگر نماز میں وضع کیوں بدلنی پڑتی ہے۔"

میں۔ "آپ خدا کی نعمتیں گن رہے تھے لیکن میں آپکو ایک بڑی بھاری نعمت الٰہی کی طرف متوجہ کرتا ہوں آپکے جسمانی اعضاء میں حرکت و سکون کی استعداد کا ہونا مثلاً کسی کے بازو کے پٹھے یا اُسکی انگلیوں کے پٹھے یا گردن یا ٹانگوں کے پٹھے کام کرنا چھوڑ دیں سخت ہو جائیں اور حرکت مفوضہ کے قابل نہ رہیں تو اُسپر زندگی حرام ہو جائے گی۔ باقی کل کی کل خدا کی نعمتیں اُسے چنداں فائدہ بخش نہ رہیں گی۔ کبھی ہماری گردن میں بل پڑ جاتا ہے تو ایک مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔"

لارڈ۔ "یہ تو آپ بالکل صحیح کہتے ہیں۔"

میں۔ "آپ نماز کو شکر گذاری کہہ رہے تھے حقیقی شکر گذاری کسی کے عطیہ کی یہ ہوتی ہے کہ اسکے عطیہ کو اسی کے کام میں استعمال کریں مجھے خدا تعالیٰ کا ہر دم سب سے بڑھکر اسلئے شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اس نے میرے مختلف اعضاء میں قسما قسم کی حرکات و سکنات کی استعدادیں رکھی ہیں۔ نہیں طرح طرح کی لچک ڈالدی۔ اس سے بہتر اور کیا اظہار شکر ہو سکتا ہے کہ میں اپنی نماز میں اپنے اعصاب و اعضا کی ہر ایک حرکت اور ہر ایک لچک کو استعمال کروں۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ اگر میں کوئی ایسی نماز ادا کروں جسمیں ہر عضو کی ہر قوت و حرکت استعمال میں آجائے تو اسلامی نماز جیسی جامع نماز

اور کس مذہب نے تجویز کی ہے

لارڈ۔ "بات تو سچ ہے یہ حرکات اعضاء بڑی نعمت ہے۔ اور اسلامی نماز نے تو خاتمہ پر گردن کی بھی کامل حرکت کو لے لیا"

میں۔ "اور قعدہ میں پاؤں کے انگوٹھے اور تشہد کے وقت حرکت انگشت سب کچھ قریب آجاتے ہیں"۔

لارڈ صاحب۔ البتہ ایک بات رہ گئی لیکن اس انداز کو تو میں بھی نماز میں شامل نہ کرونگا یعنی لیٹ جانا۔ کیونکہ اسمیں ایک رنگ غفلت اور آسایش کا ہے اور خصوصاً با جماعت نماز میں بہت ساری تکلیف کا موجب ہو جائیگا۔ لیکن بعض وقت تنہائی میں اگر کوئی لیٹ کر خدا کو یاد کر لے تو کیا حرج ہے"۔

میں۔ "ماثورہ نماز کے علاوہ ایسا کرنا بھی تو ایک امر حسنہ ہے۔ اور قرآن نے اسے بلند پایہ کے انسانوں کی شان میں بیان کیا ہے۔ مثلاً جیسے کہ فرمایا یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبھم۔ یعنی اولوالباب وہ ہوتے ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور نہیں کروٹوں پر خدا کو یاد کرتے ہیں"۔

لنڈن مسلم ہوس میں چند نومسلموں سے گفتگو

میں نے[1] لنڈن مسلم ہوس میں ایک جمعہ کی نماز کے خطبہ میں اس امر پر زور دیا کہ جہاں عیسائیوں میں اور ایسے ہی دیگر مذاہب میں مختلف فرقہ جات ہیں انکے مقابل اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ اس خطبہ کے بعد ایک خاتون نے

فٹ نوٹ۔ یہ کالم مصنف کی کتاب "اسلام میں کوئی فرقہ نہیں" میں آچکا ہے لیکن تکمیل مضمون کیلئے یہاں درج کیا گیا ہے

مجھ سے کچھ باتیں کرنے کے لئے کہا۔ چنانچہ کچھ وقت کے بعد خاتون مذکورہ معہ دو چار اور احباب نومسلم میرے ہمراہ ڈرائنگ روم میں آگئیں جہاں ہم میں ذیل کی گفتگو ہوئی:۔

نومسلم۔ آپکا خطبہ تو نہایت مفید اور نئے معلومات لئے ہوئے تھا۔ بات بھی سچ ہے۔ خدا کی طرف سے اگر مذہب آئے تو وہ سب دنیا کے لئے ایک ہی ہونا چاہیئے۔ اور اسکی تعلیم ایسی بیّن اور مبرہن ہونی چاہیئے کہ اسکی کسی اصولی تعلیم پر دو رائے نہ ہوسکے۔ یہ بھی آپنے نہایت صحیح طور پر ثابت کر دیا۔ کہ اگر قرآن اس قسم کی تعلیم لایا ہے۔ تو پھر یہ خاتم الکتب ہونا چاہیئے۔ جب ایک دفعہ تعلیم آگئی۔ اور وہ مغشوش و مخدوش ہونے سے بچ چکی ہے۔ تو پھر اس تعلیم کے اعادہ کی کیا ضرورت ہے لیکن میں نے چند باتیں نوٹ کی ہیں جنمیں مجھے ہمارے بعض مشرقی مسلم بھائی ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے نظر آتے ہیں۔

میں۔ واقعی شاید آپکو غلطی لگ گئی میرے علم میں تو ایسا نہیں۔

نومسلم۔ ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔ یہاں آپ تو امام ہوتے ہیں اس لئے آپکو ان اختلافات کا علم نہ ہوتا ہو گا۔

میں۔ میں سمجھتا نہیں۔ آپ تشریح کریں۔

نومسلم۔ اعلان اسلام سے پہلے بھی میں یہاں آیا کرتا تھا اور آپ کو

ا؎ اس گفتگو میں باقی حاضرین نے بھی حصہ لیا تھا۔ لیکن میں نے سب جگہ یہاں لفظ نومسلم لکھا ہے خواہ بولنے والا مرد تھا یا عورت۔

نماز پڑھتے دیکھتا تھا۔ اب بھی نماز جماعت کے بعد جو حصہ نماز کا آپ لوگ ادا کرتے ہیں۔ اسمیں کچھ اختلاف سا نظر آتا ہے۔ بعض لوگ ہاتھ چھاتیوں پر رکھتے ہیں۔ بعض زیر ناف بعض دوست ہر ایک سکون و حرکت پر ہاتھ کانوں کی طرف ٹھیک اسی طرح لیجاتے ہیں جیسے آپ اور آپکی اقتدا میں ہم سب شروع نماز میں اپنے ہاتھ کانوں کی طرف لیجاتے ہیں۔ پھر جب آپ قرآن کی پہلی سورت (سورت فاتحہ) ختم کرتے ہیں تو بعض گو تھوڑے کسی قدر بلند آواز سے آمین کہتے ہیں۔ عیسائی گرجوں میں تو ایک قسم کی ہم آہنگی اور ایک رنگی ہوتی ہے۔ آپ ہمارے ہاں کیوں نہیں کراتے ٭

میں۔ اب میں آپکا مطلب سمجھ گیا۔ یہ ایک لمبی بحث ہے ٭

نو مسلم۔ تو شاید آپکے پاس اس وقت نہ ہو گا پھر کبھی سہی ٭

میں۔ اس سے بہتر میرے لئے اور کوئی مصروفیت نہیں میں اب بھی حاضر ہوں۔ لیکن پیش ازیں کہ میں اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالوں میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں۔ کہ آپنے میرا عمل ان مراسم نماز میں کیا دیکھا ٭

نو مسلم۔ آپ کے ہاتھ کان کیطرف تو بار بار نہیں جاتے۔ نہ آپ مقتدیوں میں ہوتے ہیں۔ کہ جس سے معلوم ہو کہ آیا آپ آمین اونچی کہتے ہیں یا نیچی البتہ جب آپ تنہا نماز پڑھتے ہیں تو اس وقت مینے غور کیا کہ آپ کے ہاتھ کبھی زیر ناف ہوتے ہیں کبھی چھاتی پر۔ ہاں ہماری جماعت میں ایک دو احباب اور بھی ہیں۔ مسٹر...... جن کے

ہاتھ اکثر کھلے رہتے ہیں ۔

میں ۔ میں نے یہ سوال بھی اسی لئے کیا تھا کہ تا آپ سمجھ جائیں ۔ یہہ باتیں اصول مذہب میں داخل نہیں ۔ اس اختلاف سے نماز میں خلل نہیں ہوتا ۔ اگر یہ اہم باتیں ہوتیں ۔ تو بالضرور ہم مسلم نژادوں میں اس پر کبھی تنازعہ ہوتا ۔ ہم نے یہ مراسم نماز آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لئے ہیں ۔ یہ سب طریق انہی کے ہیں ۔ انہوں نے ہی نماز میں یہہ مختلف انداز اختیار کئے ہیں ۔ جن کی اتباع ہم لوگ کرتے ہیں ۔ بات صرف یہ ہے کہ زید کے نزدیک آنحضرت صلعم کا کثرتِ عمل ایک طرح پر ثابت ہے ۔ اور دوسرے کے نزدیک دوسری طرح پر ۔ یہ سب محبوب کے ہی انداز ہیں ۔ کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا ۔ کہ جو انداز میں نے اختیار کیا ہے وہی صحیح ہے ۔ اور دوسرے انداز آنحضرت صلعم سے ثابت نہیں ۔

نو مسلم ۔ یہ تو صحیح ہوگا ۔ جیسے کہ آپ فرماتے ہیں ۔ کیونکہ آپ مشرقی مسلمانوں میں باوجود اس اختلاف کے کبھی ان امور پر تنازع نہیں ہؤا ۔ نہ آپ نے کبھی آپس میں ان امور کے مٹانے اور ایک طریق عمل کے اختیار کرنے کے لئے تصفیہ کیا ۔

میں ۔ اسی لئے کہ یہ اختلاف کوئی اصولی اختلاف نہیں ۔ اور اختلاف تو تب ہو ۔ کہ ان باتوں کو ہم نماز میں خلل انداز سمجھتے ہوں ۔

نو مسلم ۔ اچھا ہمارے نبی (صلعم) نے یہ مختلف باتیں کیوں

اختیار کیں۔
میں۔ اس بات کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ پہلے یہ سمجھ لیں کہ مسلم نمازنے اور ایسا ہی مختلف مذاہب کی عبادتوں نے مختلف شکلیں کیوں اختیار کرلیں۔ نماز تو ایک قلبی کیفیت ہے۔ جس کے پیدا کرنے یا قایم رکھنے کے لئے بعض الفاظ زبان پر لائے جاتے ہیں۔
بعض نادان لوگ تفکّر اور دھیان نماز کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اور الفاظ کا دُھرانا۔ یا دیگر حرکات و سکنات کو ایک رسمی نماز کہتے ہیں۔ انہوں نے انسانی سائیکالوجی پر کبھی غور ہی نہیں کیا۔ آپ خود تجربہ کرلیں کہ الفاظ اور انکے مفہوم کو زیر نظر رکھنا جو تفکّر اور دھیان کو پیدا کرتا ہے۔ وہ خالی خولی تفکر نہیں پیدا کرسکتا۔ انسانی دماغ کبھی خالی رہتا ہی نہیں۔ کوئی نہ کوئی خیال اس پر مستولی رہتا ہے کسی خاص خیال کو انسانی دماغ پر مسلط کرنیکا صحیح اور آسان طریق یہی ہے۔ کہ اس خیال کو الفاظ کا جامہ دیدیا جائے۔ اور پھر ان الفاظ کو زبان پر لایا جائے۔ یہی علّت غائی نماز کے چند فقرات دُہرانے کی ہے قلبی کیفیّت کا اظہار انسان کے جوارح سے ہوتا ہے۔ بعض وقت بعض حرکات جوارح خاص کیفیّات پیدا کرنیکا موجب ہو جاتی ہیں۔ ایک لیکچرار کو آپ پلیٹ فارم پر دیکھ لیں۔ اس کے ہاتھ اسکی آنکھیں اسکے چہرہ پر دیکھ لیں۔ اس کے ہاتھ اسکی آنکھیں اس کے چہرہ کے مختلف حصّے اضطرار اً کیا کیا نئے نقشے اختیار کرتے ہیں۔ یہ نہ صرف اس کی دلی

کیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ بلکہ سامعین پر بعض وقت یہ حرکات و سکنات اس کے الفاظ سے کہیں زیادہ تاثیر بخش ہوتی ہیں۔ ادب کا اظہار سر جھکانے سے ہوتا ہے۔ لیکن اگر آپنے انسانی سائیکالوجی پر غور کیا ہوگا۔ تو آپ سمجھ لیں گے کہ بعض وقت ان حرکات کے ادا کرنے سے جو کسی خاص جذبۂ قلب کے لئے انسانی سوسائٹی نے تجویز کیا ہو۔ وہی جذبہ اور کیفیت دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً کیفیت ادب سر کو جھکاتی ہے۔ اور سر کا جھکانا خود بخود کیفیت ادب کو دل میں پیدا کر دیتا ہے۔ عربی زبان بھی بڑی خوب صورت زبان ہے۔ اور بڑے بڑے حقایق اپنے اندر رکھتی ہے۔ یہ جو ہم اپنے سر کو زمین پر رکھتے ہیں عربی میں اس فعل کا نام سجدہ ہے۔ اور لفظ سجدہ کے ایک معنی اطاعت کرنے کے ہیں۔ گویا اطاعت کا اظہار سجدہ سے ہوتا ہے۔ اور سجدہ کیفیت اطاعت پیدا کرتا ہے۔ نادان ہیں وہ لوگ جو ارکانِ نماز کو ایک رسمی بات سمجھتے ہیں۔ کوئی شکل نماز کی اختیار کیجئے آخر وہ بھی ایک صورت ہوگی۔ لیکن اگر خدا کا نبی خدا سے علم پاکر عبادت کے لئے کوئی شکل تجویز کرے۔ تو پھر وہ شکل کسی اتفاقی خیال یا فوری تجویز و تحریک کا نتیجہ نہ ہونا چاہئیے۔ بلکہ وہ باتیں وہ ہوں جنکی صداقت پر علم النفس والقویٰ کے حقایق مہر کریں یعنی عبادت میں جسمانی حرکات و سکنات ان جذبات و کیفیات کے مولد اور مؤید ہوں جو نماز میں پیدا ہونی چاہیئں۔ روح نماز تو ادب اور اطاعت ہے جو بعض وقت

خوف سے اور بعض وقت محبت سے پیدا ہوتی ہے بعض وقت انسان میں ایک صاحب جبروت حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر بیکسی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اب یہ تین کیفیات محبت و اطاعت بیکسی لا محالہ تین مختلف شکلیں اظہار کے وقت اختیار کرینگی۔ شاید آپ کو مختلف اقوام اور ممالک کے دیکھنے کا موقعہ نہ ملا ہو گا۔ مجھے ایسا اتفاق ہُوا ہے۔ جب کوئی شخص کسی حاکم کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے اعضاء سے اظہار اطاعت کرنا چاہے۔ تو خواہ وہ ہندوستان ہو یا انگلستان مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ اس کے دونوں ہاتھ ناف پر آکر جمع ہو جاتے ہیں۔ کمال محبت کا اظہار ہاتھوں کو سینہ پر جمع کر لیتا ہے۔ ہاں جب انسان پر سخت خشیت اور خوف طاری ہو حتی کہ وہ اپنی ذات کو بھی بھول جائے تو پھر ممکن نہیں کہ اسکا قابو اس کے ہاتھوں پر ہو نہ ہاتھ چھاتی پر رہیں گے نہ ناف پر۔ اضطراراً ہاتھ کھل جائیں گے۔ نماز پڑھنے والے پر اگر حقیقی کیفیت اطاعت یا محبت یا بیکسی طاری ہو جائے تو پھر اضطراراً اس کے ہاتھ جو بھی شکل اختیار کریں صحیح ہے۔ نماز تو قلبی کیفیت ہے۔ اور یہ حرکات اس کیفیت کے اظہار کی شکل یا اس کے متممات و مکملات ہیں۔

نو مسلم۔ ہم سب آپ کے از حد مشکور ہیں۔ بہت دقتیں آج حل ہو گئیں۔ اس سے تو یہ پایا گیا۔ کہ ہم نماز کے وقت ان مروجہ طریقوں میں سے جو بھی طرز اختیار کریں۔ اس سے نماز ساقط نہیں ہوتی۔ لیکن

ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ کہ کیوں مسٹر..... ہمیشہ نماز میں ہاتھ کھلے رکھتا ہے۔ اور مسٹر..... کے ہاتھ ہمیشہ سینے پر ہوتے ہیں۔ اور بعض ہمارے بھائیوں کے ہمیشہ ناف پر ہوتے ہیں آپکے ہاتھ بھی زیادہ تر ناف پر ہوتے ہیں۔ اور کبھی کبھی سینہ پر لیکن آپ کے ہاتھ کبھی کھلے نہیں دیکھے"

میں۔ آپنے تو کمال ہی کردیا کس طرح آپ ہمارے ہر سکون و حرکت کو دیکھتے رہتے ہیں۔ ہاں بات بھی ٹھیک ہے۔ یہ طریق بھی مذہب سیکھنے کا نہایت عمدہ ہے۔ آپ کا سوال بجا ہے۔ اگر حضور قلب سے نماز پڑھی جائے اور پڑھنے والے کی قلبی کیفیات بھی مختلف جلوہ آرائیاں کریں تو لازماً ہاتھوں کی نشست ہر نماز میں یکساں نہ ہوگی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہر رکعت میں ہاتھوں کی صورت بدل جائیگی بلکہ ایک ہی رکعت میں اگر ایک شخص نہایت تذلل سے جناب باری کے آگے ہاتھ ناف پر رکھ کے کھڑا ہوا اپنا عجز اپنی گناہگاری اور اپنی نا اہلیت ایک طرف اس کے سامنے آجائے دوسری طرف جبروت الٰہیہ اور خشیت ربی اس پر طاری ہو تو ممکن نہیں کہ اسکے جسم میں ایک قسم کی سنسناہٹ نہ ہو۔ اس کے جسم کے بال کھڑے نہ ہو جائیں اور اس کا دل رعب الٰہی سے نہ بھرا ہو۔ یہ وہ حالت ہے۔ کہ جب انسان کا نہ اپنے جسم پر قابو رہ سکتا ہے۔ نہ اس کے ہاتھ اس کے قبضہ میں رہیں گے۔ ہاتھ کھل جائیں گے اس وجدانی کیفیت میں انسان بعض وقت منٹوں کھڑا رہتا ہے۔ اسی حالت

کا نام نماز ہے۔ اسی حالت کے پیدا کرنے کے لئے یہ مختلف قیام قعود رکوع وسجود ہوتے ہیں۔ رُوحانی کیفیات پیدا کرنے میں جسمانی اوضاع کا خاص تعلق ہے۔ اختلاف طبائع اور اختلاف خلقت و جسمانی کو بھی اس سے خاص تعلق ہے۔ بعض لوگوں میں جو کیفیت قلب سجدہ کے وقت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ دوسرے قیام یا قعُود میں حاصل کر لیتے ہیں۔ بعض کے لئے رکوع زیادہ موزون ہے۔ اس لئے اسلام نے جو اپنے ہر شعار میں ہمہ گیری لئے ہوئے ہے نماز میں جسمی حرکات کی ساری اوضاع کو جمع کر لیا ہے۔ میری طبیعت کے مطابق سجدہ زیادہ موزون ہے۔ یہ جو میں نے قلبی کیفیت کا اُوپر بیان کیا ہے۔ یہ کوئی قصہ وکہانی نہیں۔ میں ان کیفیات سے ایک حد تک آشنا ہوں۔ کبھی کبھی نماز تنہائی میں ایسی کیفیت رُبودگی پیدا ہوتی ہے۔ کہ میرے ہاتھ کھل گئے ہیں۔ چونکہ یہ کیفیت اپنے اختیار میں نہیں۔ نہ محبت ہر نماز میں جوش زن ہوتی ہے۔ اسلئے جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو اطاعت کے رنگ میں کھڑا ہوتا ہوں۔ اسلئے میرے ہاتھ زیر ناف ہوتے ہیں۔

تو مسلم مسٹر..... کے ہاتھ ہمیشہ چھاتی پر ہوتے ہیں۔ اور ایسا ہی مسٹر .. .. ہمیشہ ہاتھ کھلے نماز پڑھتے ہیں۔ کیا ان کا اپنے دل پر اس قدر قابو ہے کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوں ہمیشہ

اپنے دل کو محبت یا بیکسی کی کیفیت سے رنگین کر لیں۔ یہ تو امر ناممکن سا ہے۔ بصورت دیگر نمازیں کوئی روح نہ ہو گی۔ بلکہ مشین کی حرکات رہ جائیں گی:۔

مَیں۔ یہ آپنے پتہ کی بات کہی مسلم ہو یا غیر مسلم نمازیں بہت حد تک ایک مردہ حالت میں پڑھی جاتی ہیں۔ جیسا کہ آپنے مشین کی حرکات کے ساتھ مشابہت دی ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا۔ یہ سب کے سب حرکات و سکنات آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہی مروی ہیں۔ صرف بعض کے نزدیک ایک عمل کثرت سے ثابت ہے۔ بعض کے نزدیک دوسرا۔ چونکہ نمازیں صاحب حال تھوڑے ہوتے ہیں۔ اسلئے جس مجتہد یا محقق کا کوئی مقلد ہوتا ہے۔ اس کی تقلید میں کوئی عمل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ سب باتیں جائز ہیں۔ جو کیفیت قلب آپکی نماز کے وقت ہو آپ اختیار کر لیں۔ یہ جو کچھ میں نے کہا ہے اپنی کیفیت قلبی کے مطالعہ پر کہا ہے:۔

نومسلم۔ ہاتھ کانوں کی طرف لیجانیکی غرض کیا ہے آپ تو صرف نماز کے شروع میں ایسا کرتے ہیں۔ بعض نمازیں جسم کی ہر وضع بدلنے پر ایسا کرتے ہیں:۔

مَیں۔ اصل میں یہ فعل کسی امر سے دست کش کرنے کے اظہار میں کیا جاتا ہے۔ جب انسان کسی دوسرے پر یہ ظاہر کرنا چاہے کہ میں فلاں کام سے ابراکرتا ہوں یا میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اور

اس اظہار ابرا پر زور دینا چاہیے۔ تو طبعاً اور اضطراراً اسکے ہاتھ کانوں کی طرف جاتے ہیں۔ ہم نماز کے وقت دُنیا جہان سے کنارہ کشی کر کے خدائے اکبر کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اس کنارہ کشی کے اظہار کے لئے شروع نماز میں ہمارے ہاتھ کانوں کی طرف جاتے ہیں۔ کہ اب ہم دُنیا کو چھوڑ چکے ہیں۔ چونکہ حرکات جسم انسان کے خیالات کو بھی بعض وقت بدل دیتے ہیں۔ اور اس سے یکسوئی نہیں رہتی۔ اس لئے کیا حرج ہے کہ انسان نماز میں جسم کی ہر وضع بدلنے پر ان بیرونی خیالات سے کانوں پر ہاتھ دھر لے جنہوں نے اسکی طبیعت کو ممکن ہے اپنی طرف کھینچ لیا ہو۔ اگر یہ باتیں حضور قلب سے ہوں۔ تو پھر نماز میں رُوح پیدا ہو جاتی ہے۔ والا مشین کی گردش وضو میں بھی گویا دُنیا سے ہم ہاتھ دھوتے ہیں وغیرہ وغیرہ ؛

نومسلم۔ اب ایک بات رہ گئی جو تحلیل ج رونی ہے۔ ہمنے تو آج آپکو بہت ہی تکلیف دی۔ اور بہت ہی فایدہ بھی ہُوا۔ اسلامی باتیں تو نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی حکمت اپنے اندر رکھتی ہیں۔ گرجاؤں میں بھی نماز ہوتی ہے۔ اسمیں بھی بعض ارکان ہوتے ہیں۔ لیکن جب کبھی کسی بڑے سے بڑے پادری سے بھی انکی وجہ دریافت کیگئی۔ تو خشک منطق کے سوا ان سے کچھ جواب نہیں بنتا۔ جو باتیں ان کے ہاں محض رسمیات ہیں۔ وہ اسلام میں تو حقیقت و حکمت نظر آتی ہیں۔ اب آخری بات اونچی آواز آمین کہنے کے متعلق ہے ؛

میں۔ یہاں تو نادر ہی موقعہ کسی دوسرے کے پیچھے مجھے نماز پڑھنے کا ملا۔ لیکن ہندوستان میں میں دوسروں کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں۔ میں نے آمین بالجہر بھی کہی ہے۔ اور اس کے برعکس بھی میں اپنی قلبی کیفیت آپ کو عرض کر دیتا ہوں۔ اصلی حقیقت سے خدا یا اسکا رسول (صلعم) آشنا ہے۔ اگر انسان کے دل میں حقیقی خشیت اور خوف طاری ہو تو اس کا اثر لازماً اسکی آواز پر پڑتا ہے۔ اسکی آواز ہلکی ہو جاتی ہے۔ اور اس قابل نہیں رہتی۔ کہ اس کا ہمسایہ اسکی آواز کو سن سکے۔ خوشی کا رنگ اظہار جہری چاہتا ہے۔ محبت کے نقشے بھی دونوں ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ کہیں اخفا ہوتا ہے کہیں اظہار۔ سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے۔ آمین کے معنے ہیں۔ اے خدا تو ایسا ہی کر یعنی امام اصالتاً یا وکالتاً بارگاہِ الٰہی میں اپنی طرف سے اور مقتدیوں کی طرف سے عرض حال کرتا ہے۔ اور مقتدی ہی آمین کہتے ہیں۔ بعض وقت ایک سائل اپنی مصیبت اور مایوسی سے تنگ آکر اپنے درد دل کو گلا پھاڑ پھاڑ کر بیان کرتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہوتی۔ کہ سننے والا اونچا سنتا ہے۔ بلکہ یہ کہ سنانے والا بلند آوازی سے اپنا اضطراب قلب ظاہر کرتا ہے۔

نو مسلم۔ کیا عجیب بات ہے۔ تو ہی تو آپ کے مقتدی نماز میں مختلف الحرکات ہوتے ہیں لیکن آپسمیں ایک دوسرے کے فعل پر نکتہ چینی نہیں کرتے۔ اور بات بھی ٹھیک ہے یہ ممکن نہیں۔ کہ نماز میں سب مقتدیوں کی کیفیات قلبی یکساں ہوں۔

. . . . تو پھر کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ رفع یدین یا آمین کہنے میں یا ہاتھوں کے باندھنے میں سب کا طرزِ عمل ایک ہی ہو۔ ہاں نماز پڑھنا اگر مشینی حرکات کا رنگ اپنے اندر رکھے تو بالضرور سب کے سب حرکات ایک ہی قسم کے ہوتے۔ چنانچہ عیسائی گرجاؤں میں اسبات کا بڑا اہتمام رہتا ہے۔ کہ جو ان کے مقررہ حرکات ہیں۔ انمیں فرق نہ آئے۔ یہ جو عیسائیوں میں مختلف فرقے ہیں۔ ان کے مراسم نماز بھی جُدا جُدا ہوتے ہیں۔ بلکہ ان امور پر یہاں تک زور دیا جاتا ہے۔ کہ ایک کے نزدیک دوسرے کی نماز ہوتی ہی نہیں۔ بلکہ کسی مقتدی کی کسی گرجا میں کیا مجال ہے۔ کہ وہ مراسم نماز میں کسی دوسرے فرقے کا طریق عمل اختیار کرے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارا مذہب (اسلام) ان تنازعات سے پاک ہے :۔

آہ! یہ آخری فقرہ کس قدر چوٹ میرے دل پر لگا گیا ہمارے احباب بعد از نماز عصر چائے پی کر رخصت ہوئے۔ اور میں گھنٹوں ان تنازعات اور مقدمات پر سوچتا رہا۔ جنہیں ہم بغرض حصول ثواب شوق سے کیا کرتے تھے۔ کس طرح آج سے تیس چالیس برس پہلے وہ مسجدیں دُھلائی گئیں۔ جہاں کسی نے آمین بالجہر یا رفع یدین کی۔ کس ظالمانہ جرأت سے ایک شخص نے لاہور کی ایک مسجد کے دروازہ پر اعلان لکھدیا کہ اس مسجد میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہو جو حنفی طریقہ پر ارکانِ نماز ادا نہ کرتا ہو۔ وہ بلوے وہ دنگہ فساد وہ

جھگڑے ابھی تک یاد میں ہیں۔ جو انہی باتوں پر ہماری مسجدوں میں ہوا کرتے تھے۔ کیا شان بنی ہے۔ کہ آمین بالجہر کا مقدمہ الٰہ آباد اور کلکتہ ہائیکورٹ تک نہیں بلکہ پریوی کونسل لنڈن تک پہنچے۔ اور وہاں مسلمان نہیں بلکہ عیسائی ججوں کی کونسل یہ فیصلہ کرے کہ آمین بالجہر ساقط نماز نہیں۔ یہ سب اختلافی باتیں مسلّم طور پر سُنن نبویّہ ہیں۔ اور ہر ایک مسلمان کو حق پہنچتا ہے۔ کہ ہر ایک مسجد میں جا کر اپنے فرقے کے انداز پر نماز ادا کرے ۔

نادان نہیں سمجھتے کہ کبھی مذہب میں یہ وہ امور نہیں ہو سکتے۔ کہ جس سے کوئی فرقہ پیدا ہو جب یہ ساری باتیں سنّتِ نبویّہ ہیں تو یہ کس قدر گستاخانہ جرأت ہے۔ کہ ہم جو فعل نہ کریں اس پر نکتہ چینی کریں۔ یہ تو ایک پیارے محبوب کے مختلف خط و خال اور انداز ہیں یہ تو ممکن بلکہ طبعی امر ہے۔ کہ کسی کو محبوب کا کوئی انداز بھا گیا ہو۔ کسی کی نگاہ میں کوئی ادا کھُب گئی ہو۔ لیکن سچی محبت اور حقیقی عشق اس امر کی اجازت نہیں دیتا۔ کہ عاشق اسی محبوب کی دوسری اداؤں پر نکتہ چین ہو۔ مجھے ایک ادا نے اپنا شکار کر لیا ہے۔ لیکن میں اگر حقیقی عاشق ہوں تو اس کی سب اداؤں کے آگے سر جھکاتا ہوں میرے نزدیک جو اہلحدیث کسی حنفی المذہب کی انداز ادائیگی نماز پر حرف گیری کرتا ہے۔ وہ مذہب عشق میں غدار ہے اسی طرح جو حنفی المذہب کسی کی رفع یدین یا آمین بالجہر پر برافروختہ ہوتا ہے۔

وہ نیک فعل نہیں کرتا۔ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی توہین کرتا ہے۔

کیا یہی باتیں نہیں جو ہم مسلمانوں میں بنائے فساد ہوئی ہیں جنہوں نے قبیلوں اور خاندانوں کو جدا کر دیا۔ اور مسلمانوں کو ضعف اور ادبار تک پہنچایا۔ حالانکہ اسکو اصول مذہب سے چنداں تعلق نہ تھا۔

اسلامی نکتۂ خیال سے غرض نکاح

کثیر الازدواجی

نکاح اور مقصد نکاح اور اسی کے ضمن میں کثیر الازدواجی کچھ ایسے مضامین ہیں کہ گذشتہ تیس برس میں شاید صدہا دفعہ انپر سوچنے اور گفتگو کرنیکا مجھے موقع ملا۔ یہ مضمون جس قدر اہمیت رکھتا ہے وہ ظاہر ہے لیکن اس زمانے میں مغربی خیالات کا رجحان کہیں کہیں رسم شادی کے خلاف نظر آتا ہے۔ مغرب میں شادی کی زندگی راحت افزا ثابت نہیں ہوئی اسلئے ایک گروہ حکما کا یہ خیال ہے کہ مرد و عورت کا ایک جگہ جمع ہو جانا اگر وقتی خوشی کا موجب ہے تو پھر اسکی ذمہ داریاں کیوں ہمیشہ کیلئے طوق گردن ہو جائیں بچوں کی پرورش کی کفیل گورنمنٹ ہو سکتی ہے جو بیوہ ایک ٹیکس کے ذریعہ اپنے اخراجات وصول کر سکتی ہے

یہ باتیں کوئی مغرب سے مختص نہیں۔ بلکہ ایک طرف انگلستان پھر وسط میں مصر اور دوسری طرف جزائر جاوا ملایا۔ (جہاں یہ باتیں میں لکھ رہا ہوں) الغرض جہاں میں گیا۔ یہ باتیں کسی نہ کسی رنگ میں بحث تلے آگئیں۔ یہاں میں انہیں ایک مسلسل اور طبعی ترتیب میں جمع کر دیتا ہوں۔ گو یہ ترتیب زمانی نہ ہوگی۔ سب سے پہلی گفتگو انگلستان میں غالباً کیمبرج اور لنڈن کے ایک حصہ دوسوم سنہ نہم میں ابتداء سنہ ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔ سنہ نہم کے ایک بورڈنگ ہوس میں چند مصری طلباء رہتے تھے۔ جہاں میں ایکدن مہمان ہوا انمیں ایک میڈیکل کالج کا طالب علم تھا۔ جو آج بھی لنڈن میں طبابت کا پیشہ کرتا ہے اور اپنے مذاق وحریت پر ناز کیا کرتا ہے۔ میں نے اُسے دوبارہ ملنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ ہمیشہ طرح دے جاتا ہے اُس وقت سنہ ۱۹۱۳ء میں بھی اسکی یہی حالت تھی۔ جب میں مصری طلباء کا مہمان ہوا حقوق نسوان پر گفتگو ہوتے ہوتے کثیر الازدواجی کا مضمون چھڑ گیا۔ جسکی ضمن میں ذیل کی گفتگو ہوئی:۔

مصری۔ "اگر اسلام نے مرد اور عورت کے حقوق میں مساوات قایم کی ہے تو پھر عورت کو بھی ایک سے زیادہ خاوند کی اجازت ہونی چاہیئے"۔

میں۔ "ہاں اگر مقصد شادی صرف جذبات حیوانی کو ٹھنڈا کرنا ہو"۔

مصری۔ "تو اور کس امر کے لئے شادی ہوا کرتی ہے"؟

میں۔ "شادی کا ایک مقصد بقاء نوع ہے۔ اور اس غرض کیلئے یہ جذبات پیدا ہوئے لیکن بقاء نوع اس امر کی متقاضی ہے کہ بچوں کی پرورش صحت طور پر ہو"

مصری:- لیکن یہ امر جبات کا تو مانع نہیں کہ عورت ایک ہی وقت ایک سے زیادہ خاوندوں سے تعلق رکھے"۔

میں:- بچوں کی پرورش کے ذمہ واران کے والدین ہونے چاہیئیں۔ اگر ایک بی بی بہت سے مردوں کی عورت ہو تو بچے کی پیدایش پر باپ کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ ماں کا پتہ تو لگ سکتا ہے۔ اسوقت تک ہر مذہب ملت اور ایسا ہی ہر تمدن کے قانون نے باپ کو ہی بچوں کی پرورش کا ذمہ وار ٹھیرایا ہے لیکن اگر عورت بھی ایک ہی وقت ایک سے زیادہ خاوند کرلے۔ تو پیدایش پر کسی بچے کی پدریت کا تشخص ایک امر ناممکن ہو جائیگا۔ مرد کا ایک سے زیادہ بی بی کرنا اس تشخص کا مانع نہیں"۔

مصری:- بچوں کی پرورش کیوں گورنمنٹ کے حوالے نہو اور ہم ایک سکین بدین میں۔ اور مرد عورتیں کھلے کتیوں کی طرح پھرتے ہیں۔ جہاں چاہا دو جمع ہو گئے پرورش کے لئے گورنمنٹ موجود ہے۔ مزید برآں کرے زید پکڑا جائے بکر"۔

مصری:- وہ کس طرح"۔

میں:- آپکا مجوزہ نکس ایک عامہ حالت میں ہوگا۔ کیونکہ ان بچوں کی پرورش کے لئے اصلی ذمہ داروں کا پتہ چلنا مشکل ہے وہ لوگ بھی ٹکس کے ذمہ دار ہو جائیں گے جنکا تعلق کبھی کسی عورت سے نہیں ہوا پھر ایک امر کبھی نہ بھولنا چاہیئے کہ جس دل میں محبت اور شفقت سے ماں باپ بچوں کی غور و پرداخت کرتے ہیں وہ گورنمنٹ کے بہتر سے بہتر انتظام کے ماتحت بھی ناممکن ہے

ملک جاوا۔ دسمبر ۱۹۲۰ء

بمقام بنگلہ سیٹھ یوسف حاجی احمد علاقہ ساوانگ شہر سورابایا
محمد ضمیر الدین احمد[1]۔ قرآن نے شادی کا مقصد کیا ٹھہرایا ہے۔
تسکین جذبات حیوانیہ تو کوئی اعلیٰ مقصد نظر نہیں آتا؟
میں۔ قربان جاؤں قرآن کے اس نے تسکین جذبات کا بھی ذکر کیا
لیکن کس خوبصورتی سے پانچویں سپارہ میں کہ پاک محصنات سے شادی
کرو یعنی تمہاری شادی کی غرض صرف تسکین جذبات نہ ہو۔ غیر
مسافحات ولا متخذات اخدان کہکر اس امر کو صاف کر دیا مسافحت سے
مراد وہ تعلق ہے جسکا مقصد صرف تسکین شہوات ہو یہ لفظ استعمال کرکے دو[2]

---

[1] میں ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء سے ابتدائے جنوری ۱۹۲۱ء تک سیٹھ صاحب موصوف کا مہمان رہا۔ شاید زیادہ سے زیادہ دو ہفتہ سورابایا میں رہتا لیکن سیٹھ صاحب کرم کی محبت اور ان کے اخلاق کریمانہ نے مجھے وہاں سے نکلنے نہ دیا۔ ایک ماہ کے بعد مجھ میں کچھ صحت کے آثار پیدا ہو گئے لیکن جب انہوں نے مجھے گھر سے نکلنے ہی نہ دیا اور میں اپنے منشی کو سنگاپور چھوڑ آیا تھا۔ تو میرے کہنے پر انہوں نے مکرمی محمد ضمیر الدین احمد صاحب کی خدمات میرے سپرد کر دیں۔ اس پر میں نے یہ تصنیفات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ غالب کتاب "روحانیات فی الاسلام" کے لکھاتے وقت گفتگو بالا مجھ میں اور عزیزی محمد ضمیر الدین احمد میں ہوئی۔ خدائے تعالیٰ ان دونوں کو جزا

خیر دے

قسم کی شادیوں کو روک دیا۔ ایک نیوگ دوسرا متعہ"۔

ضمیر الدین احمد "متعہ جب میعادی شادی ہے تو پھر اس کا مقصد واقعی جذبات کو ٹھنڈا کرنا ہے۔ لیکن یہ نیوگ کیا ہوتا ہے"

میں۔ یہ ایک لمبا قصہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر عورت کو اپنے خاوند سے اولاد نہ ہو تو وہ اپنی عورت کو کسی اور کے پاس بچہ لینے کے لئے بھیجے یہ ملک ہندوستان کی بہت پرانی رسم تھی لیکن دیانند جی مہاراج نے اسے پھر زندہ کرنا چاہا۔ اس آیت میں مسافحات کے بعد متخذات اخدان ہے جس کے معنے ہیں خفیہ طریق پر تعلقات زناشوئی قائم رکھنا مطلب یہ ہے کہ جس مرد عورت کے تعلق کا نام شادی ہے وہ پبلک کے علم میں آنی چاہئیے۔ اس قسم کی شادی شرارت کی روک ہو سکتی ہے لیکن سب سے لطیف لفظ اس آیت میں محصنات کا ہے یہ لفظ حصن سے مشتق ہے جس کے معنے قلعہ کے ہیں یعنی مرد کے تقویٰ کو حملہ شیطان سے بچانے کیلئے عورت حصن حصین ہو جاتی ہے پھر یہ لفظ محصن اس طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ عورت حدود قلعہ میں گھیری گئی ہے جسمیں اشارہ کہ وہ حدود زوجیت سے باہر نہ جائے۔ ان تین جملوں نے کس خوبصورتی اور لطافت سے اس مقصد کو ادا کیا جسکو غلیظ الفاظ میں شہوت رانی کہتے ہیں یعنی جہانتک ان جذبات کا معاملہ ہے مقصد زوجیت اس آیت کے ماتحت یہ ہے کہ ان جذبات کو جو دراصل مرد اور عورت کے محبت باہمی کے محرک اول ہیں کسی محفوظ طریق پر چلا کر مرد اور عورت کی پیدائش کی اصل غرض کو

حاصل کیا جائے۔ اگر مقصد زوجیت صرف آگ ہی بجھانا یا بچوں کو پیدا کرنا ہے تو پھر خفیہ تعلقات یا نیوگ یا متعہ وغیرہ کو نہ روکا جاتا۔

ضمیر الدین احمد۔ تو کیا شادی کا کوئی اور مقصد بھی قرآن میں بتلایا گیا ہے۔ کیونکہ بچہ کشی یا جذبات کا ٹھنڈا کر لینا تو حیوانوں کے سامنے بھی ہے بچوں کی پرورش ایک حد تک وہ بھی کر لیتے ہیں۔

میں۔ قرآن نے مقصد شادی تمدن دنیا رکھا ہے۔ یہ جو آپکو شہر اور بستیاں نظر آتی ہیں یہ سب مرد اور عورت کے صحیح طریق پر جمع ہونیکا نتیجہ ہے یہی حیوانی جذبات جب مرد اور عورت کو ایسے طریق پر جمع کرتے ہیں کہ وہ عام نگاہ میں خاوند و عورت سمجھے جائیں اور اس سے تشخص پدریت بھی ہو سکے تو چند دن میں وہی جذبات باہمی محبت و مودت میں متشکل ہو جاتے ہیں یہی محبت و مودت پھر دونوں میں ایک دوسرے کیلئے ایثار پیدا کر دیتی ہے۔ یہی شادی عورت مرد کے رشتہ داروں میں تعلق پیدا کر کے اس محبت و مودت اور ایثار کے دائرہ کو وسیع کر دیتی ہے۔ ایثار کا پہلا سبق اگر انسان سیکھتا ہے تو شادی کے ذریعہ ہی سیکھتا ہے۔ والدین یا اولاد ہی طبعاً ہمارے جذبۂ ایثار کو حرکت میں لاتے ہیں اور یہ دونوں رشتے شادی سے پیدا ہوتے ہیں پھر ان تعلقات سے ہی جذبۂ غضبی کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے جو ہمارا تعلق غیری میں محرک غضب ہوتا ہے وہ گھر کی چار دیواری میں کبھی غصہ کو نہیں بھڑکاتا۔ اولاد کی بھولی باتیں غصہ کی بجائے مسکراہٹ پیدا کر دیتی ہیں۔ الغرض انسانی غضب آہستہ آہستہ اس طرح رحمت میں متبدل ہو جاتا ہے عیال والے لوگ ہی زیادہ تر

نسبتاً متحمل و بُردبار اور رعایت دکھلانے والی ہوتے ہیں۔ یورپ میں اکثر عورتیں بے شادی رہتی ہیں وہ اپنے چڑچڑاپن میں ضرب المثل ہیں۔ ہمارے کل کے کُل جذبات کی جڑ دو حیوانی جذبات ہیں غضب و شہوت۔ متاہل زندگی کے مکتب میں یہی دو جذبات حیوانیہ آہستہ آہستہ محبت و مودت ایثار و رحمت میں منتقل ہو جاتے ہیں لیکن جہاں مرد و عورت خاوند عورت کی طرح رہکر بھی قانوناً ایک دوسرے کے ذمہ دار نہ ٹھہر سکیں یا جہاں تشخص پدریت نہ ہو سکے یعنی جہاں مرد و عورت میں عقد نکاح نہ ہو۔ وہاں جذبات حیوانی کا اخلاق بالا پیدا کرنا محالات سے ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نکاح کے ماتحت اگر انسان کے تعلقات مرافقت کئی خاندانوں سے ہو جاتے ہیں تو اسکی ذمہ داریاں بھی بہت بڑھ جاتی ہیں۔ ایک انسان کو بہت سے دوسرے افراد کی ضروریات کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اسی سے قبیلے پیدا ہو جاتے ہیں قبیلے بستیاں بنا دیتے ہیں بستیاں شہر اور ملک پیدا کر لیتی ہیں۔ حیوان اور انسان کے جذبات میں یہ فرق ہے کہ حیوانی جذبات میں ترقی نہیں ہوتی لیکن انسانی جذبات کچھ کا کچھ بنجاتے ہیں۔ حیوانوں میں بھی نر مادہ اکھٹے رہتے اور بچے پیدا کرتے ہیں لیکن حیوان بستیاں اور شہر آباد نہیں کر سکتے۔ انسانی شہوات عقد نکاح کے ماتحت مودت و رحمت و ایثار میں منتبدل ہو کر شہروں کے شہر آباد کر دیتی ہیں۔ اس انسان پر کس قدر افسوس ہے جو متاہل زندگی چھوڑکر حیوانوں کیطرح مُنہ تو مارتا ہے لیکن پرورش اولاد کے معاملہ

میں حیوانوں سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ بعض حالات میں ان فاسقوں کو یہ بھی علم نہیں ہوتا۔ کہ وہ دنیا میں کس کس بچہ کے باپ ہو چکے ہیں:۔

محمد خمیس الدین۔ تو شادی کا بڑا مقصد تمدن ٹھہرا۔ اور شہوات حیوانی کی تہذیب کر کے انہیں محبت و مودت میں متشکل کرنا ہوا۔ کیا یہ ساری باتیں قرآن میں لکھی ہیں:۔

میں۔ میں آپکو قرآن میں سے یہ مقام نکال دیتا ہوں۔ آپ مجھے پڑھکر سنائیں:۔

محمد خمیس الدین صاحب نے ذیل کی آیات پڑھیں:۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ ترجمہ اور اسکی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ تمکو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر جب تم انسان ہوئے تم ہر طرف پھیلے ہوئے ہو۔ اور اسکی ایک نشانی یہ بھی ہے۔ کہ تمہاری جنس میں سے تمہارے جوڑے بنائے تاکہ انکی طرف تمہیں راحت ملے۔ اور تم میں مودت و رحمت پیدا ہو۔ اسمیں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے بہت سے نشان ہیں:۔

کس خوبصورتی سے قرآن مجید نے ان دو آیات میں مقصد شادی کو انسان کی فطرت سے انتشار کو دور کرنیکا ذریعہ اور انتشار کے بجائے اسمیں تسکین قلب پیدا کر کے آخر کار اسی شادی کو دنیا کیلئے مودت و

رحمت کا موجب ٹھہرایا ہے۔ انسان کے مٹی سے نکلنے کی طرف اشارہ کر کے اس کے جسم و روح کے ان اجزائے متضاد و مختلفہ کی طرف حوالہ دیا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو۔ کہ اسے ایک جگہ چین نہ پڑے۔ بلکہ وہ کل روئے زمین پر منتشر ہو جائے جس سے تمدن ایک طرح ناممکن ہو جاتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں مرد عورت پیدا کر کے ان میں ایک دوسرے کی طرف رغبت پیدا کر دی۔ جس سے نہ صرف انتشار طبع دور ہو کر تسکین قلب ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہی تسکین قلب آہستہ آہستہ اس کے جذبات حیوانیہ کو جو ممکن تھا۔ کہ اسے ایک جگہ قرار نہ لینے دیتے۔ اس مودت و رحمت میں متبدل کر دیتا ہے کہ جس سے کل مدنی اور منزلی زندگی پیدا ہوتی ہے۔ وہی انسان جو حبالہ نکاح میں آنے سے پہلے ایک شتر بے مہار ہو رہا تھا۔ اب وہ ایک ٹھکانے بیٹھ گیا ہے۔ وہی انسان جو شادی سے پہلے کسی مراعات یا ذمہ داری کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اب وہ صاحب عیال ہو کر ہر قسم کے تمدنی بوجھوں کو خوشی سے اٹھانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ تمدن کامل اس مودت اور رحم کے سوائے ناممکن ہے جس کا ذکر ان آیات میں ہے۔ ان آیات میں چار الفاظ اور انکی ترتیب نہایت ہی غور طلب ہے۔ اول انتشار۔ پھر تسکین۔ پھر مودت اور اس کے بعد رحمت۔ یہ چاروں باتیں فطرت انسانی میں ہیں۔ اور تمدن کے لئے بھی ضروری ہیں۔ انتشار ہی انسانوں کو

اپنے مولد سے نکالکر انہیں دنیا جہان کے چار کونوں میں جا بساتا ہے لیکن یہ انتشار طبع بذاتہ اس مقصد کو پورا نہ کرتا۔ اگر یہ کسی ٹھکانے لگ کر مؤدت اور رحمت کا ہم قران نہ ہوتا۔ اِن دو متضاد چیزوں مؤدت و انتشار کو ترویج دینے کیلئے مرد و عورت میں رشتہ زوجیت پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس رشتہ نے مرد و عورت میں مؤدت و محبت پیدا کر دی ہے۔ مؤدت اور رحمت میں کچھ فرق ہے۔ مؤدت باہمی تعلقات یا باہمی مراعات کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یعنی یہ وہ محبت ہے۔ جو بدل کو چاہتی ہے۔ لیکن رحمت وہ محبت یا مراعات ہے۔ جو بلا بدل ظاہر ہوتی ہے۔ مَیں ابھی کہہ آیا ہوں کہ کس طرح انسان شادی کر کے متقابلہ محبت کے بعد اپنے اندر ایثار اور رحمت کا احساس کرتا ہے۔ اگر وہ آج اپنی محنتوں کے ثمرات اپنے لئے رکھتا ہے تو کل شادی کے بعد سر سے پاؤں تک کے پسینہ کی کمائی کو اپنے پر حرام کر کے اوروں کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ اور جبھی یہ ایثار پیدا ہوتا ہے۔ اسکی طبیعت میں وہ انتشار نہیں رہتا۔ جس سے انسان میں دوسروں کی طرف سے نفرت اور وحشت ہوتی ہے۔ اسی لئے پہلے کہا تھا۔ کہ ان آیات میں اِن الفاظ کی ترتیب کو دیکھا جائے۔ انتشار کا سب سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ جو تمدن کے لئے تو ضروری ہے لیکن وہ مولد وحشت و نفرت بھی ہے۔ اب اگر انسان کی طبیعت سے یہ امر دور ہو جائے۔ تو پھر وہی انتشار طبع آدم کی اولاد کو کل روئے

زمین پر بسا دیگا۔ آپ بنگالے کے شیر کشمیر میں اور قطبین کے ریچھ کو افریقہ میں نہیں پائیں گے۔ لیکن افریقہ کے باشندے کینیڈا میں نظر آجائیں گے۔ یہ وہی انتشار ہے۔ جو انسانوں کو ہر جگہ لئے پھرتا ہے۔ البتہ تمدن مؤدت و رحمت کو چاہتا تھا یعنی ہم ایک دوسرے کے ساتھ مراعات متقابلہ بھی کریں۔ اور ایکدوسرے پر عنایات و مہربانیاں بلا بدل بھی کریں۔ اسکا ذریعہ زوجیت ٹھہرائی۔ کس قدر بلند سے بلند نصب العین شادی کا قرآن بتاتا ہے۔ اور یہ وہ کتاب ہے جسے مفتریوں نے معاذ اللہ شہوانی تعلیم سے مملو کہا ہے۔

کثیر الازدواجی

(بمقام کیمبرج مکان مولوی محمد علی صاحب بی اے کنٹب قصوری)

ایک انگریز ملاقاتی۔ (مختلف قسم کی گفتگو کے بعد) آپکے ہاں تو شاید کثیر الازدواجی کا رواج ہے"

میں "اس قدر تو نہیں جتنا یہاں ہے"

ملاقاتی۔ (متحیر ہو کر) ہمارے ہاں؟ میں آپکا مطلب نہیں سمجھا"

میں۔ شادی کا ایک مقصد اگر یہ ہے کہ مرد عورت فطری تقاضوں کے ماتحت جمع ہو جاویں تو یہاں کثیر الازدواجی فیصدی زیادہ ہے میری مراد یہ ہے کہ ہمارے ہاں جہاں دس ہزار میں ایک مرد ایسا ہوگا جو ایک عورت سے دوسری عورت کی شکل دیکھے تو مغرب میں فیصدی

شاید بہت سے ایسے نکل سکیں جن کے تعلق ایک سے زیادہ بیبیوں سے ہوتے ہیں"۔

ملاقاتی ۔"قانون اس کا نام شادی نہیں ٹھہراتا"۔

میں ۔"قانون اسے روکتا بھی نہیں"۔

ملاقاتی "لیکن سوسائٹی اسکو پسند نہیں کرتی اور ناجائز ٹھہراتی ہے"۔

میں ۔"مطلب یہ ہے کہ جو ہم میں کہیں شاذو نادر لیکن قانون اور سوسائٹی کی اجازت سے ہوتا ہے وہ یہاں ناجائز طریق پر عام ہو رہا ہے اگر کثیر الازدواجی کا پورا سدباب کرنا تھا تو پھر ان ناجائز تعلقات کو بھی اسلام کی طرح قانوناً جرم ٹھہرانا تھا۔ عجب تماشہ ہے کہ مرد اور عورت نکاح کے بغیر بیشک عمر بھر خاوند و عورت کیطرح رہیں تو وہ جرم نہیں۔ لیکن اگر وہ بالمقابل حقوق کے ذمہ وار بننا چاہیں تو وہ مجرم بنجائیں۔ جس صورت میں مرد پہلے سے شادی شدہ ہو"۔

ملاقاتی ۔"آپکی مراد اُنکا باضابطہ شادی کر لینا ہے"۔

میں ۔"شادی سے ایسی ذمہ داری پیدا ہو گی"۔

ملاقاتی ۔"عورت کے نکتۂ خیال سے آپ اس مسئلہ پر کیا کہتے ہیں۔

میں ۔ عورت کثیر الازدواجی کو پسند نہیں کرتی۔ لیکن شادی کرنے میں اسلام عورت کو مطلق آزادی دیتا ہے۔ عورت چاہے کرے چاہے نہ کرے لیکن میں آپ سے ایک امر دریافت کرتا ہوں۔ کیا مرد و عورت دونوں میں خواہش مناکحت ایک طبعی جذبہ نہیں۔ کیا ہر مرد و عورت

کو فطرت نے حق ملابست نہیں دیا۔ تو پھر کیوں سوسائیٹی اسکا علاج نہیں کرتی۔ کہ ان حقوق فطریہ کا نفاذ ہر مرد و عورت کے حق میں نہیں رہا

ملاقاتی۔ "یہ تو انکے قوائے مختلفہ ہی سے ظاہر ہے کہ مرد و عورت دونو اس امر کے مستحق ہیں۔ اور یہ بھی صحیح بات ہے کہ سوسائیٹی کو ہر انسانی جذبہ کی تسکین کے سامان بہم پہنچانے میں امداد دینی چاہیئے"۔

میں۔ آپنے صحیح فرمایا۔ تو پھر اسلامی کثیر الازدواجی کے سوا آپ کوئی اور طریق مجھے بتلا سکتے ہیں کہ جس سے ہر ایک عورت دُنیا میں اپنے فطری حقوق کو حاصل کر سکے یعنی ہر ایک عورت کسی نہ کسی مرد کی رفیق زندگی بن سکے"۔

ملاقاتی۔ "آپ ذرا تشریح کر دیں"۔

میں۔ کل دُنیا میں ہر ایک وقت علی العموم مردوں سے عورتوں کی تعداد زیادہ ہی رہی ہے۔ اس آپکے ملک میں عورتیں مردوں سے دو تین ملین زیادہ ہیں۔ اگر ایک مرد ایک ہی عورت کرے تو بیس تیس لاکھ عورتیں اپنے حقوق فطریہ کو کس طرح حاصل کر سکیں گی اور اب بھی یورپ میں اگر لڑائی ٹھہر جائے تو پھر جو مرد ہیں کمی تعداد میں کمی ہو جائیگی وہ ظاہر ہے۔

لہ یہ گفتگو ۱۹۱۳ء میں ہوئی تھی۔ ۱۹۱۸ء کے آخیر میں ایک عام قیاس کیا گیا تھا کہ لڑائی کے بعد جرمن اور فرانس میں عورتیں مردوں سے چھ گنا زیادہ رہ جائینگی اور ابھی انمیں وہ شمار نہیں جو زخمی یا محروم الاعضا یا بیکار اعضا لے کر لڑائی سے واپس گئے ہیں انگلستان میں بھی عورتوں کی تعداد جنگ کے بعد بہت بڑھ گئی ہے۔

ملا قاتی۔ ہاں یہ آپنے کیا کہا کہ آپکے ہاں دس ہزار میں ایک آدمی شاید ایسا ہو جو ایک سے زیادہ بی بی کرے۔ آپکے ہاں تو شاید ایک سے زیادہ بی بی کرنے کا قانون ہے"۔

میں۔ "ممکن ہے آپ بھی اس عامہ غلطی میں ہوں۔ قرآن مجید نہ تو کثیر الازدواجی کا حکم دیتا ہے نہ اسکی سفارش کرتا ہے۔ نہ اسے امر مستحسن ٹھہراتا ہے بلکہ یہ تو ضرورت کا ایک علاج ہے۔ اور وہ بھی سخت قیود کیساتھ"۔

ملا قاتی"۔ اس امر کی ذرا آپ تشریح کر دیں۔ ہمارے خیال میں تو یہ تھا کہ ایک نیک مسلمان کے گھر میں چار بیبیاں ہونی چاہئیں......"

میں"۔ اور اس سے بھی اگر زیادہ نیک بننا چاہئیے تو گھر سے تلوار لیکر نکلے سب سے پہلے جس کافر کو دیکھے اسے قتل کرے"۔

ملا قاتی۔ (ہنسکر) اور رات دن حرم سرا میں پڑا رہے"۔

میں۔ میں اس دروغگوئی اور غلط بیانی سے ناواقف نہیں جو ہمارے متعلق بعض پادری کرتے رہے ہیں۔ یہ سب کا سب جھوٹ ہے"۔

ملا قاتی"۔ واقعی؟ تو ایک مسلمان ایک سے زیادہ بی بی پر مجبور نہیں"

میں۔ منشاء قرآن یہی ہے کہ ایک ہی بی بی ہو ایک سے زیادہ بی بی کے لئے برابر ہی سلوک کی ایک ایسی کڑی شرط قرآن نے لگا دی کہ ایک انسان کبھی سخت سے سخت ضرورت کے سوا ایک سے زیادہ بی بی کر ہی نہیں سکتا"۔

ملا قاتی۔ "مہربانی سے آپ کسی ضرورت کا نام لیں گے"۔

میں۔ شادی کی ایک بھاری غرض اولاد ہے مثلاً کچھ برس کے بعد ثابت ہو گیا کہ عورت اولاد کے قابل نہیں ہے یا بالفرض بیوی دائم المریض ہے۔ ایسے حالات میں انسان کے چلن کی حفاظت کے لیئے دوسری بی بی کا ہونا ضروری ہے۔

لنڈن مسلم ہوس میں چند اعلیٰ طبقہ کی خواتین سے گفتگو

معمولی خطبات جمعہ اور اتوار کے علاوہ میں نے ۱۹۱۸ء میں ہر پندرھویں دن ایک ایٹ ھوم بھی تجویز کیا تھا جس میں لنڈن کے معززین مدعو ہوتے تھے۔ اسی ایٹ ہوم میں ایک نصف گھنٹے کیلئے ایک مختصر سی تقریر بھی میں کیا کرتا تھا جس کے بعد حاضرین مختلف سوال کیا کرتے تھے میرے آنے پر یہ سلسلہ بند ہو گیا جسے میں واپس جاکر پھر شروع کرونگا کبھی کبھی ایٹ ہوم کے بعد بعض احباب کو ٹھہرا لیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک ایٹ ہوم کے بعد میں نے چند معزز خواتین کو کھانے کی دعوت دے رکھی تھی۔ ایٹ ہوم کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں چلی گئیں جہاں ہم میں ذیل کی گفتگو اسی مضمون پر ہوئی گفتگو میں حصہ سب نے لیا لیکن ان سب کے قائم مقام یہاں میں لفظ خاتون استعمال کرونگا۔

خاتون۔ (مذاق سے) خواجہ انھیں تنہائی ستاتی ہوگی تم دوسری بی بی کب کرو گے"۔

میں۔ صنف ضعیف (مستورات) کے کسی ممبر کی جب کسی حفاظت

کی ضرورت ہوئی اور میرے سوا کسی اور شریف نے اس حفاظت کا ذمہ نہ لیا تو شاید میں اپنی خدمات پیش کردوں۔"

خاتون۔ یہ تو آپ نے عجیب جواب دیا۔ کیا مسلمان جب چاہیں ایک سے زیادہ بیبیاں نہیں کرسکتے اور نہیں کرتے ہیں"؟

میں۔ کر تو نہیں سکتے لیکن بعض کرتے ہیں وہ کونسی قوم یا ملک ہے جہاں قانون کے توڑنے والے پیدا نہیں ہوتے۔"

خاتون۔ ہم تو دوسری عورت کو دیکھ ہی نہیں سکتیں لیکن آپ نے یہ کیا کہا کہ آپ ہماری حفاظت یا ہمارے فائدہ کے لئے دوسری شادی کریں گے"؟

میں۔ کثیر الازدواجی کا قانون صنف لطیف کے فائدہ کے لئے بنایا گیا۔ دو باتوں کو اس وقت تک نہ کوئی قانون نہ کوئی مذہب۔ نہ کوئی تہذیب روک سکتی ہے۔ ایک مرد کی حیوانیت دوسرا بعض حالات میں عورت کی کمزوری اسکی فریب خوردگی۔ اس کا معمولاً نتیجہ ایک بدلگام اپنی منکوحہ کے علاوہ دوسری معصوم بیبیوں کے پیچھے جاتا ہے۔ آپ کی صنف کے بعض افراد ان شیطانوں کے فریب و دھوکہ وغیرہ وغیرہ کا شکار ہو جاتی ہیں۔ مطلب میرا یہ ہے کہ اس وقت تک دنیا ایک طرف ان حیوان بشکل مردوں سے اور دوسری طرف دھوکہ میں آجانے والی یا کسی اور طرح پر کمزوری دکھلانے والی بیبیوں سے خالی نہیں ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض نا اہل مردوں کی قسمت

منکوحہ کے علاوہ ایک یا ایک سے زیادہ بیبیاں بھی رہتی ہیں"۔
خاتون۔ "ان واقعات سے کیسے انکار ہو سکتا ہے"۔
میں۔ "اب میں ایک امر آپ کے آگے پیش کرتا ہوں جب بعض انسان اپنی چھت تلے ایک سے زیادہ بیبیاں رکھ رہے ہیں بعض ناجائز طریق پر اور بعض کسی سوسائٹی کے قانون تلے جیسے مسلمان۔ تو پھر عورت کا فائدہ دونوں حالتوں میں کس صورت میں آیا ہے وہ مغرب میں بے عزت بن کے رہے یا مشرق میں دوسری منکوحہ بی بی ہو کر رہے"۔
خاتون۔ (مذاقیہ طور پر) "آپ ان دو حالتوں میں فرق گنتے ہیں۔ سوتیا ڈاہ تو تمیز نہیں کرتا"۔
میں۔ "یہ صحیح ہے لیکن جہاں کوئی معصوم بی بی کسی شادی شدہ مرد کا شکار فریب ہو جائے سوتیا ڈاہ تو وہاں بھی پیدا ہو گیا۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ از روئے نتائج دونوں حالتوں میں سے کونسی بہتر حالت ہے۔ پہلی حالت میں مسکین عورت کا مرد پر اسی دن تک قابو ہے جب تک وہ مرد کی مرغوب طبع رہی۔ اس کے بعد مصیبت کی زندگی کا اس بی بی کو سامنا ہوگا۔ مسلمانوں میں ایسی بی بی تا بقائے نکاح ہر حقوق کی مستحق ہے پھر ورثہ کی بھی مالک ہے۔ علاوہ ازیں ہم میں ایسی بیبیاں عزت کے ساتھ دیکھی جاتی ہیں۔ دوسری صورت میں اس نے کسی کو سوسائٹی میں ہدف حقارت و ملامت بننا پڑتا ہے پھر اس سے بھی بڑھ کے ان غریبوں کا کیا قصور ہے جو ان ناجائز رشتوں کے

ماتحت دُنیا میں بلا علم و ارادہ لائے جاتے ہیں۔ اور ذلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں"۔

خاتون "آپکی مراد اُن بچوں سے ہے جو بعض وقت پیدا ہو جاتے ہیں"۔

میں "آپ نے میرا مطلب سمجھ لیا۔ اسلام میں تو ایک یا دو یا زیادہ منکوحہ بی بیوں کے بچے ایک ہی قسم کی عزت اور ورثہ کے مستحق ہوتے ہیں لیکن دوسری طرف تو ساری عمر کے لئے ایک بدنما داغ ان بچوں کی ولادت پر سوسائیٹی میں رہتا ہے۔ مرد کی چند روزہ حیوانیت اور عورت کی کمزوری یہ نتائج بدہمیشہ کے لئے پیدا کر دیتی ہے۔ اسکا علاج اگر کوئی ہو سکتا ہے تو یہی کثیر الازدواجی۔ اسی لئے مینے کہا تھا کہ اسلام نے کثیر الازدواجی کا قانون عورت اور آئندہ نسل کی حفاظت کے لئے بنایا ہے"۔

خاتون "لیکن اگر کسی وقت عورت اپنی حفاظت کر سکے اور اکثر عورتیں اپنی حفاظت آپ کر سکتی ہیں تو پھر اس قانون کا کیا حشر ہوگا"؟

میں "یہ قانون عمل میں نہ آئے گا۔ قانون دو قسم کے ہوتے ہیں ایک دسب سٹنیشل) ضروری دوسری (ریمیڈیل) علاجاً قسم دوم اس وقت زیر عمل آتا ہے جب ضرورت ہو۔ ہر روز انسان دوائی نہیں کھاتا۔ بیمار ہو کر ہی دوائی کھاتا ہے۔ اسی طرح دوسرے قسم کا قانون بھی بلا ضرورت عمل میں نہیں آتا"۔

خاتون "(ہنس کر) دوائی تو کڑوی ہوتی ہے"۔

میں۔"اور دوسری شادی کونسی راحت دیتی ہے۔ میرے لئے تو ایک بی بی کے احکام کی بجا آوری مشکل ہے۔ دوسری بی بی معنی کیا رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں ایک بات کو آپ کبھی نہ بھولیں۔ اسلام میں شادی کے وقت عورت کو کلّی اختیار ہیں وہ کیوں ایسے مرد سے شادی کرے جو پہلے ایک بی بی رکھتا ہو۔ چنانچہ ہم اپنی لڑکیاں ایسے لوگوں کو بہت کم دیتے ہیں"۔

خاتون۔" اگر شادی کے بعد مرد دوسری بی بی کرلے تو پھر پہلی بی بی کیا کر سکتی ہے"۔

میں۔ دہنسکر) "وہی علاج جو یہاں کی بیبیاں اپنے ایسے خاوندوں کے مقابل میں کرتی ہیں۔ جو کوچہ گردی کے عادی ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک امر لاعلاج ہے لیکن ہمارے ہاں اس کا ایک علاج بھی ہے نکاح کے وقت عورت نکاح نامہ میں یہ شرط لگا سکتی ہے کہ اگر خاوند دوسرا نکاح کرے تو اُسے خاوند سے جدا ہو جانے یا مطلقہ ہو جانیکا حق حاصل ہوگا اور اس صورت میں خاوند اسے ایک رقم بطور جرمانہ یا حین حیات تک گذارہ دے"۔

خاتون۔"آپ ان بدقسمت بچوں کا ذکر کر رہے تھے۔ اُنکا کیا قصور ہے اُنہیں کیوں زیر الزام رکھا جائے۔ کیا وہ جسماً باپ کے وارث نہیں تو کیوں اس کی جائداد کے وارث نہ ہوں"۔

میں۔" یہ تو پھر گورنمنٹ کا قصور ہے۔ گورنمنٹ ایک قانون کے ذریعہ

انہیں معزز بنا سکتی ہے۔ آخر اس جنگ میں جو چلتے پھرتے سپاہی مختلف
گاؤں میں بچے پیدا کر گئے۔ وہ کسی شادی کا نتیجہ تو نہ تھے لیکن سوسائٹی
نے داغ ندامت اُن کے دامن سے دھونے کے لئے انکا نام طفلانِ
جنگ (وار بیبیز) رکھ دیا۔ اسی طرح گورنمنٹ قانون بنا دے
کہ ایسے بچے نہ کم اصل کہلائے جائیں نہ گذارہ سے محروم رہیں"

خاتون۔ ہاں یہ تو ہونا چاہیئے"

میں۔ تو کثیر الازدواجی کو بہت حد تک گورنمنٹ نے تسلیم کر لیا کیونکہ
جس تعلق کے ماتحت وہ بچے پیدا ہوئے وہ جائز ہو گیا۔ اسکا نام جبر
شادی ہے۔ نہ بدکاری۔ اب عورتوں کی حفاظت باقی رہ گئی۔ وہ
یہ ہے کہ ایسے تعلق کے بعد عورت جائز بی بی سمجھی جائے۔ اس شکل کا
ایک قانون سکاٹ لینڈ میں موجود ہے یعنی اس جگہ ایک مرد عورت کا ایک
جگہ شب باش ہو جانا عورت کو شادی کے حقوق دیدیتا ہے"۔

خاتون۔ تو کیا اسلام نے بھی ایسی شادی کو جائز رکھا ہے"۔

میں۔ نہیں اس طریق میں بھی ایک نقص ہے۔ ممکن ہے عورت
کسی وجہ سے کمزوری ظاہر کر دے۔ لیکن بعض وجوہ خاندانی یا اور
امور اس مرد عورت میں میاں بیوی کے رشتہ کی اجازت نہ دیں۔ ایسا
اکثر ہوتا ہے۔ قانون سکاٹ لینڈ میں یہ نقص ہے سیاہ کاری نہیں رکتی
بالمقابل اسلام کسی مرد و عورت میں اُسوقت شرعاً نکاح تسلیم کریگا جب
اُنکے خلوت میں جانے سے پہلے اُنکا میاں بی بی ہونا پبلک کے علم میں آجائے"

علی دانیال

مقام۔ ایڈنبرا۔

مضمون۔ گناہ۔ انسان معصوم ہو سکتا ہے۔ عیسویت کے اصول اور ان کا رد۔

جیسے کہ میں نے کسی اور مقام پر ذکر کیا ہے۔ عیسائیت کی بیخ و بن مسئلہ گناہ ہے۔ اس مذہب کی کہانی دو چار لفظوں میں ختم ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمؑ کی طفیل انسان کی سرشت میں گناہ آچکا ہے۔ گناہ بہ تقاضائے عدل خداوندی سزا کو چاہتا ہے۔ خدا کا رحم انسان کو پاداش گناہ سے بچانا چاہتا ہے۔ ان دو متضاد تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے محبت خداوندی نے یہ تجویز کی کہ وہ خود ہی انسانی جامہ میں ظاہر ہو کر کفارہ گناہ ہو جائے۔ یہ نادان نہیں سوچتے کہ جس مفروضہ عدل کے تقاضے کو تم پورا کر رہے ہو اسکا ستیاناس اسی مسئلہ کفارہ سے ہو جاتا ہے یعنی گناہ کرے زید اور سزا بھگتے بکر۔ پھر وہ بھی کوئی رحم ہے جس کا ظہور کسی بدل کو چاہتا ہے۔ خداوند تعالے نے جو زمین و آسمان ہوا پانی وغیرہ وغیرہ اپنی نعمتیں پیدا کی ہیں یہ سب اسکا فضل بلا بدل ہے۔ گناہ کے بخشنے میں کیا وہ فضل بلا بدل نہیں کر سکتا۔ اسے صلیب کی کھیل کرنیکی ضرورت ہی کیا ہے۔ پھر جناب آدمؑ نے اتنا لمبا چوڑا گناہ ہی کون سا

کیا ایک بھول تھی جو ہو گئی چنانچہ قرآن نے نسی آدم کہہ کر فعل آدمؑ کا نام انسیان رکھا۔ یہ کہاں کا عدل ہے کہ ایک شخص کی غلطی سے کل نسل انسان جہنم ابدی کی مستوجب ہو گئی۔ کیا وہ خالق سرشت نہیں۔ وہ آدمؑ کے بعد انسانوں کی سرشت کی اصلاح کر سکتا تھا۔ عیسائیت کی کہانی کوئی نئی داستان نہیں۔ صرف مقام و زبان کی تبدیلی سے یونانی رومی داستان ہائے پارینہ نے عیسویت ایک نئی شکل اختیار کر لی ہے۔

الغرض مسیحی مذہب کی کہانی گناہ کی کہانی سے شروع ہوتی ہے جس نے اس مسئلہ کو توڑ دیا کہ انسان کی سرشت میں گناہ نہیں یعنی انسان کی فطرت میں استعداد گناہ تو ہے لیکن گناہ نہیں اس نے عیسائی تعلیم کو خاک میں ملا دیا۔ مجھے اس مسئلہ پر مختلف شکلوں میں بحث کرنی پڑی جن میں سے چند بحثیں جو مجھے یاد ہیں۔ وہ انشاءاللہ یہاں لکھوا دوں گا۔ علی دانیال غالباً لودھیانہ کا ایک مرتد مسلمان ہے۔ ۱۹۱۴ء میں مجھے ایڈنبرا جانا پڑا۔ جہاں کچھ لکچر ہوئے۔ دوران قیام ایڈنبرا میں جب ایک دن میں ایک مصری دوست کا مہمان تھا۔ یہ شخص مجھے ملا۔ اس کے پہلے سوال پر ہی میں سمجھ گیا کہ یہ عیسائی ہے۔ میں اس سے پہلے واقف نہ تھا۔

دانیال۔ "میں گناہ کے متعلق آپ سے کچھ سمجھنا چاہتا ہوں"۔

میں۔ "ہاں اسی مسئلہ کی غلط فہمی نے موجودہ عیسائی مذہب کو

پیدا کر رکھا ہے"۔

دانیال "کیا انسان گناہ سے بچ سکتا ہے"۔

میں۔ لکھو کھا انسان گناہ سے بچے اور بچ سکتے ہیں۔ خود انبیاء کا گروہ گناہ سے معصوم رہا"۔

دانیال "خدا کے کلام سے ایسا نہیں پایا جاتا"۔ (متکلم کی مراد اس سے بائبل تھی)

میں "نہیں خدا کے کلام (قرآن) نے اس امر کی تصدیق کی ہے مثلاً فرمایا۔ کُلٌّ من الصّالحین۔ بعض جھوٹے مؤرخوں نے انبیا علیہم السّلام پر بہتان باندھے تھے۔ اس لئے خدا کے آخری کلام نے آکر ان تمام بہتانوں کی تردید میں اُن انبیا کی تطہیر فرمائی۔ نبی تو صالح ہی ہونا چاہیئے ورنہ وہ نبی کیسا۔ چونکہ خدا کے آخری کلام کے آنے پر اس مقدس جماعت کے متعلق جھوٹے الزامات تھے۔ اُنکا دفعیہ کر دیا گیا۔ مثلاً جناب ابراہیمؑ۔ اور جناب یوسفؑ کے متعلق یہودیوں نے لکھا ہوا تھا کہ ان دو مقدسوں نے دو تین جھوٹ بولے خدا کے کلام نے اِن دونوں کو صدیق اسی لئے پکارا کہ ان دونوں کی تو فطرت میں صداقت ہے"۔

دانیال "آپ قرآن کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ لیکن میری مراد بائبل سے تھی"۔

میں۔ آپ معاف فرمائیں آپنے لفظ گول مول سا استعمال کر دیا یعنی خدا کا کلام آپکو چاہیئے تھا کہ آپ کھلے لفظوں میں بائبل کہدیتے"۔

دانیال:- آپ اسکو خدا کا کلام نہیں سمجھتے ہیں۔ قرآن تو انجیل توریت کو خدا کی کتاب کہتا ہے"۔

میں:- انجیل و توریت اور ایسے ہی زبور تو خدا کی کتابیں تھیں لیکن جو کچھ اس وقت بائبل کی شکل میں ہے وہ تو خدا کا کلام نہیں۔ بہت کچھ تحریف تبدیل ان میں ہو گئی ہے۔ قرآن نے ایسا ہی کہا"۔

دانیال:- قرآن کے سوا کوئی اور بھی اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ کتابیں محرف ہیں"۔

میں:- آج عیسائی محققین نے خود تسلیم کر لیا ہے۔ آپ انسکلوپیڈیا برٹانیکا میں ایک آرٹیکل بعنوان "بائبل پر تنقید اعلیٰ" پڑھ لیں۔ یہ امر اب مسلم ہے"۔

دانیال:- شاید بعض حصص ایسے ہوں گے لیکن کل کے کل بائبل کو تو محرف کوئی نہیں کہتا"۔

میں:- کسی عدالت میں ایسی کوئی دستاویز تسلیم نہیں کیجاتی جس کے کسی حصہ کو ہر دو فریق مخالف موافق جعلی تسلیم کر لیں۔ ایسے دستاویز کو فریق مخالف اپنے فائدہ میں استعمال کر سکتا ہے پیش کرنے والا اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ بائبل نے اگر بعض صحائف کے متعلق بڑا کہا ہے تو وہ کسی کے لئے قابل سند نہیں جبتک کوئی خارجی شہادت نہ ہو۔ اگر بائبل کا ایک حصہ جعلی تسلیم ہوا تو پھر وہ کل کی کل مجروح ہو گئی"۔

دانیال:- یہ بات کو تو آپ بھی تسلیم کریں گے کہ بائبل یہودیوں کے ہاتھ

ہیں رہی وہ کیوں اپنے بزرگوں کے خلاف لکھنے لگے۔ انبیا تو انکے اپنے بزرگ تھے"

میں۔ اگر یہ آپکا اصول صحیح ہے تو پھر معاذ اللہ مسیح نے غلط بیانی کی۔ وہ ان یہودیوں کو قتل انبیاء اسرائیل کا ملزم ٹھہراتے ہیں۔ جو لوگ اپنے بزرگوں کو قتل کر سکتے ہیں وہ اُن کے خلاف بھی لکھ سکتے ہیں"۔

دانیال۔ آخر کوئی وجہ ہونی چاہیئے کہ وہ کیوں بعض واقعات غلط لکھیں۔

میں۔ ایک واقعہ کی وجہ میں بتا دیتا ہوں۔ یہودی فلسطین اور عمونیوں کے دشمن تھے جو عموماً یہودیوں پر غالب رہے۔ انہوں نے اُن سے یہ بدلا لیا کہ ان دونوں قوموں کو اپنی کتاب مقدس میں بد اصل بنا دیا۔ معاذ اللہ ایک خدا کے نبی کو اپنی لڑکیوں سے نشۂ شراب میں مرتکب امر شنیعہ کرایا اور اُن دو لڑکیوں کے بطن سے اس طرح کی اولاد کو فلسطین اور عمونیوں کا مورث اعلیٰ بنایا۔ انکی بلا سے وہ مطہر اور صالح انسان ایسے گندے فعل کا مرتکب بنجائے لیکن یہ لوگ اپنے دشمنوں سے بدلہ لے لیں"۔

دانیال۔ تو کیا آپ بائبل کے کسی حصہ کو صحیح نہیں مانتے۔ یا اگر مانتے ہیں تو کس حصہ کو مانتے ہیں۔ عہد نامہ قدیم کے لکھنے والے شاید اس قسم کے ہوں لیکن اناجیل کے لکھنے والے دوست اور مرید تھے۔ وہ کیوں نہ صحیح مانی جائیں"

میں۔ اگر موجودہ تحقیق نے اناجیل کو محرف نہ ٹھہرایا ہوتا تو بھی ہمیں ایسی باتیں لکھی ہیں جن سے ایک انسان اسے خدا کی کتاب نہیں سمجھ سکتا۔ مثلاً نبی دنیا میں ایک اچھا نمونہ قائم کرنے آتے ہیں۔ بروئے انجیل متی جس طریق پر مسیح اپنی والدہ سے پیش آیا اس اسیرانہ سلوک سے ہماری مائیں نا آشنا ہیں

ہم پسند نہیں کرتے کہ اُس انداز پر ہمارے بچے اپنی ماؤں یا رشتہ داروں سے پیش آئیں۔ ہمارے ہاں ایسے بچے شوخ اور گستاخ کہلاتے ہیں۔ اب اگر مسیحؑ کو مَیں نبی سمجھوں تو ایسی کتاب کو جسمیں مجھے مسیحؑ اپنی والدہ سے ناملائم سلوک کرتا نظر آئے مَیں اُسے مسیحؑ پر ایک افترا اور بہتان باندھنے والی کتاب سمجھونگا۔ قرآن نے اچھا کیا کہ مسیحؑ کے متعلق کہدیا کہ وہ اپنی ماں کا ادب کرتے تھے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ مسیحؑ کے دشمنوں نے انجیل لکھی بلکہ لکھنے والے نہایت ادنیٰ درجہ کے ناقص العقل لوگ تھے۔ خود جناب مسیحؑ کو بھی اُنکے نقص فہم کی شکایت تھی ممکن ہے کہ وہ لوگ خلاق جنہ کی حقیقت سے ہی ناواقف ہوں۔ ایک دھوبی اور ماہی گیر کا نکتہ خیال کہاں بلند ہو سکتا ہے۔ اُنہوں نے اپنے خیال میں اسے خوبی ہی سمجھ کے لکھا ہوگا۔ حالانکہ دوسروں کے نزدیک وہ عیب تھا تو یہ کوئی ضروری نہیں کہ دشمن ہی دشمن کے خلاف بات لکھے نادان دوست دانا دشمن سے بدتر ہوتا ہے......

آپ اس بحث میں کیوں پڑتے ہیں انجیل توریت کا محرف و مبدل ہونا اب فضلاءِ مغرب کی مسلمات میں سے ہے۔ آپ اصلی بحث پر آئیں جو آپ کے زیرِ نظر تھی یعنی گناہ اور انسان مَیں تسلیم نہیں کرتا کہ انسان کی فطرت میں گناہ ہے۔ انسان گناہ سے بچ سکتا ہے"۔

دانیال "کیا چاروں طرف گناہ نہیں ہو رہا۔ کیا انسان کے دل میں گناہ کے ارادے نہیں آتے کونسا زمانہ دنیا میں ہے کہ جو گناہ سے خالی رہا ہو۔ میں۔ اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ انسان گناہ سے نہیں بچ سکتا۔ آپ

نہیں دیکھتے کہ بچے گناہ سے پاک ہوتے ہیں۔ گناہ آپکے نزدیک کیا چیز ہے؟"

دانیال: "احکام الٰہیہ کو توڑنا۔"

میں: یہ صحیح ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا انسان کسی حکم یا قانون پر چلنے کی استعداد رکھتا ہے یا نہیں۔ بچوں کو دیکھ لو ایک عمر تک وہی کرتے ہیں جو اُنکو دوسرے کہتے ہیں۔ ہر جگہ لوگوں نے قوانین سلطنت پر چلنے کی استعداد قوانین کے توڑنے سے کہیں زیادہ دکھلائی ہے۔ جیل میں تو نسل انسانی کا بہت ہی کم حصہ جاتا ہے۔

اس کے ضمن میں جو مجھ میں اور علی دانیال میں گفتگو ہوئی وہ قریب قریب وہی تھی جسے میں نے تیمبرج کے سوال و جواب میں درج کرا دیا ہے۔ خاتمہ پر میں نے اُسے کہا کہ ایک شخص کو خدا بنانیکے لئے عیسائی قوم نے کل نسل انسانی کو گنہگار بنا دیا۔ بائبل پڑھ کر انسان کو خدا سے بھی نفرت ہو جاتی ہے۔ کیا داؤد خدا کا پہلوٹھا بیٹا نہیں کہلایا۔ پھر جو نقشہ بائبل میں داؤد نبی کا ہے وہ کیسا نفرت انگیز ہے۔ اگر خدا کے بیٹے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں تو پھر ہم خدا کو کیا سمجھیں۔ کیا بائبل میں انبیا کے متعلق یہ نہیں لکھا گیا کہ یہ لوگ خدا کی منشا کے مطابق تھے اور عجز سے خدا کے قدم بہ قدم چلتے تھے۔ اگر ان کے اخلاق وہی ہیں جو بائبل لکھتی ہے تو یہ بات دو امر سے خالی نہیں یا تو بائبل خدا کی کتاب نہیں ہے اور اگر ہے تو پھر خدا کے ہم قدم چلنے والوں کے اخلاق مندرجہ بائبل سے جو اخلاق خداوندی کا پتہ چلتا ہے اُس سے خدا کی جو عزت ہماری نگاہ میں پیدا ہو سکتی وہ ظاہر ہے۔

شریفہ ہادل اور چند نو مسلم بیبیاں

مقام۔ سرسالار جنگ میموریل ہاؤس مسجد ووکنگ۔

مضمون مسیح کے معجزات۔ اُسکا صلیب پر مقتول یا مصلوب ہونا بعد کے واقعات مندرجہ بائبل پر تنقید۔

ووکنگ میں ہر اتوار کے جلسہ مقررّہ کے بعد اور بدھ کی سہ پہر کو ہمارے نومسلم بھائی ہمارے ہاں جمع ہوتے ہیں قریباً تین چار گھنٹے وہ وہیں گذارتے ہیں ان جلسوں میں عموماً مذہبی گفتگو ہوا کرتی ہے۔ ان مذاکرات میں ایکدن مسیح کے معجزات بھی زیر بحث آئے میں نہیں کہہ سکتا کہ اس گفتگو میں کس کس نے حصہ لیا۔ لیکن ہماری دینی بہن شریفہ ہادل جو ہمارے نومسلم بھائی محمد اشرف ہادل کی نیک نہاد بیوی ہیں اور جن کا کل خاندان مسلمان ہو چکا ہے اُنہیں مذہبی باتوں سے بہت دلچسپی ہے مذہب کے اُنہیں سیکھنے کا بھی از حد شوق ہے مکالمات ذیل میں میں نہیں کہہ سکتا کہ کس نے کیا کہا۔ اسلئے میں یہاں کسیکا نام دینے کی بجائے نومسلم و نومسلمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ البتہ معجزات پر گفتگو شریفہ ہادل نے شروع کی تھی اور یہاں جو فقرے اُنکی طرف منسوب کیا ہے وہ اُنہیں کے الفاظ ہیں

مسز ہادل۔ "یہ جو بائبل میں مسیح کے معجزات کا ذکر ہے اسکے متعلق آپکی کیا رائے ہے کیا واقعی ایسے معجزات ہوا کرتے تھے۔ کیا یہ انسانی طاقت سے باہر باتیں نہیں ہیں"۔ اگر کسی اور انسان کے ایسے معجزات نہ ہوئے ہوں تو شاید میں آپ سے اتفاق کرنے کی وجہ دیکھ سکوں"۔

مسز ڈھاول "ہمارے پادری صاحبان تو یہی کہتے ہیں کہ مسیح کے سوا کوئی معجزہ نہیں کر سکتا"
میں "مسیح تو اپنے شاگردوں کو کہتا ہے کہ تم بھی میری طرح معجزات کر سکتے ہو۔ اگر نماز روزے کے پابند ہو جاؤ۔ اور شریعت پر عمل کرو۔ آج بھی جو ان تین باتوں کا پابند ہوگا اس میں اعجازی رنگ پیدا ہو جائیگا۔ قرآن کا بھی یہی مذہب ہے"
مسز ڈھاول "لیکن کیا مسیح سے پہلے بھی اس قسم کے معجزات ہوئے؟"
میں "میری خیال میں تو مسیح کا ایک معجزہ بھی ایسا نہیں جس کی نظیر یا مثال دوسرے انبیاء مذکورہ بائبل میں نہ ہو۔ آپ مسیح کے معجزات گن جائیں پھر میں آپکو بتاؤنگا کہ اس قسم کے معجزات اور نبیوں نے بھی کئے ہیں"
مسز ڈھاول "مردوں کا زندہ کرنا مچھلیوں اور روٹیوں سے بہت ساروں کو کھانا کھلانا۔ اندھوں کو آنکھیں دینا وغیرہ وغیرہ"
میں "میں آپ سب دوستوں کو کہتا ہوں کہ فرصت کیوقت آپ سب ایلیا (الیاس) اور الائیشا (الیسع) کے معجزات بائبل میں پڑھ لیں مسیح نے تو مُردے زندہ کئے انمیں سے بعض تو بظاہر مُردہ تھے لیکن اس امر کا ثبوت نہیں ملتا کہ انکی روح جسم سے الگ ہوئی تھی یا نہیں۔ مگر وہاں تو وادی اُستخوان میں نبی کے گذرنے پر بوسیدہ ہڈیاں زندہ ہو گئیں کئی دفعہ تھوڑا سا تیل نبی کے برکت دینے سے ایک مدت مدید تک کام دیتا رہا۔ مسیح نے اگر پانی پر حکومت کی تو اُدھر نبیوں کے عصا اور نبیوں کے عبا نے چلتے دریاؤں کو روکا۔ یعقوب کی آنکھیں بھی تو معجزہ ہی سے روشن ہوئی تھیں"
ایک نو مسلمہ "کوئی اور بھی آسمان کی طرف گیا جیسے کہ ہم مسیح کے متعلق انجیل میں پڑھتے ہیں۔"
"یہ واقعہ تو صحیح بھی معلوم نہیں ہوتا مسیح کے قبر سے نکلنے کے بعد جس قدر

واقعات انجیل میں لکھے ہیں وہ سب کے سب مشتبہ ہیں"۔

ہمیں۔ اس جرح کی بھی ضرورت نہیں سوال یہ ہے کہ جو کچھ مسیحؑ کی طرف برنگ اعجاز منسوب ہوا ہے خواہ وہ صحیح طور پر بیان ہوا ہے یا غلط وہی بات اور جگہ بھی موجود ہے اور آسمان کے جانیکے متعلق تو جس شان و شکوہ اور اقتدار سے الیاس آسمان کو گیا ہے مسیحؑ کے آسمان کیطرف جانیکو اس سے نسبت ہی کیا۔ ایک شخص دشمنوں کے ہاتھ سے گھبرایا ہوا پھرتا ہے پھر اس خطرہ سے کہ کہیں دوبارہ نہ پکڑا جائے بھیس بدلتا ہے۔ کم آمد و رفت والے رستوں سے گذرتا ہے اپنے حواریوں سے ملتا ہے تو پوشیدہ جگہوں میں ملتا ہے پھر بیان ہوتا ہے کہ آسمان پر چلا گیا۔ یہ تو مسیحؑ کا نقشہ ہے۔ لیکن الیاس نبی کو آسمان سے آتشیں یا نوری رتھ لینے آتی ہے فرشتے ہمرکاب ہیں نہایت شکوہ سے الیاس نبی اوپر جاتا ہے"۔

"ایک نو مسلم صلیب کے واقعہ کی آپ کیا تشریح کرتے ہیں"۔

ہمیں۔ قرآن مسیحؑ کے مصلوب ہونیسے انکار کرتا ہے اور اسے یہودیوں کی نزدیک بھی ایک مشتبہ قرار دیتا ہے (ولکن شبہ لہم) یہ امر ظاہر ہے کہ مسیحؑ تین دن تک صلیب پر نہیں رہا جیسا طریق تھا صرف تین چار گھنٹے وہ لکڑی پر لٹکا رہا آجکل کیطرح پھانسی تو ہوتی نہ تھی صرف لکڑی کے ساتھ ہاتھ پاؤں باندھکر مجرم کو اسپر ٹھہراتے تھے۔ ہاتھوں میں میخیں ٹھونکدیتے تھے بھوک پیاس سے اگر مجرم تین دن میں مر گیا تو بہتر ورنہ تیسرے دن صلیب سے اتار کر مجرم کی ہڈیاں توڑ دی جاتی تھیں جس سے وہ مرجاتا تھا مسیحؑ کو صلیب پر غش آگیا۔ ایک رومی سپاہی نے بھالے سے اسکا جسم چھیدا تو اسمیں سے خون نکلا یہ تو موت کی نشانی نہیں بیہوشی میں وہ نیچے اتار لیا گیا۔ رومی سپاہیوں نے اسکی ہڈیاں بھی نہ توڑیں۔ خود پیلاطوس کو مسیحؑ کی رپورٹ کردہ جلد موت پر حیرت تھی۔ وہ زندہ ہی اترا اور زندہ قبر میں رکھا گیا یہ واقعہ

جمعہ کی سہ پہر کو ہوا کچھ تو عید فسح کی شام تھی کچھ سخت آندھی نے کل یہود یونکو تتر بتر کر دیا تھا اتوار کی صبحکو بعض عورتوں نے قبر سے پتھر ہٹا ہوا پایا۔ ایک سفید پوش پر باغبان کا دھوکا ہوا۔ وہ خود مسیحؑ تھا۔ مسیحؑ کم آمد و رفت راہوں سے کسی مقام مقررہ پر چلا گیا اب جو کچھ قبر سے اُٹھنے کے بعد مسیحؑ سے سرزد ہوا اُسپر آپ غور کریں آیا وہ ایسے شخص کا واقعہ ہے کہ جو دشمنوں سے چھپتا پھرتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں پھر پکڑا نہ جائے یا وہ اُس انسان کیطرح ہے کہ جو موت پر غالب آیا۔ اور جس نے تمام دشمنوں کے منصوبے معجزانہ طریق پر توڑ دیئے"۔

ایک نو مسلم"یہ تو صحیح ہے کہ گو وہ چالیس دن تک زمین پر رہا لیکن اور دن سی چھپتا رہا تھا۔ اس کے آسمان کے جانیکے متعلق کیا معاملہ ہے وہ تو بادلوں میں جاتا ہوا دکھائی دیا۔"

میں"مینے زیتون کی پہاڑی بھی دیکھی ہے اور وہ جگہ بھی دیکھی ہے جہاں سے مسیحؑ کا آسمان پر جانا بتایا جاتا ہے۔ پہاڑ و نیز بادلوں میں چلنے کی کیفیت سے بھی آشنا ہوں اور بادلوں میں گیا بھی ہوں اور بادلوں میں آپ چلا بھی ہوں۔ اگر کوئی شخص ایام برسات میں کسی پہاڑ پر کھڑا ہوا اور اچانک گھرا بادل اسکے اردگرد آجائے تو اُس سے تھوڑے فاصلہ پر نیچے کھڑے ہوئے لوگوں کو وہ بادلوں میں گھرا ہوا یا چلتا ہوا نظر آویگا۔ یہ روزمرہ کا نظارہ ہم ہندوستان میں پہاڑی مقامات پر دیکھتے ہیں سرد ممالک میں یہ کیفیت کم نظر آتی ہے۔ آپ ایک بات کو اناجیل کے پڑھنے میں کبھی نہ بھولیں آپ جانتے ہیں کہ مسیحؑ کے حواری کس عقل و دماغ کے لوگ تھے؟"

نو مسلم"نہایت معمولی سمجھ والے لوگ تھے خود مسیحؑ کو اُنکی نقص فہم کی شکایت تھی"۔

میں۔"اس لئے آپ اُن کے بیان کردہ واقعات سے خود نتائج اخذ کریں۔ نہ یہ کہ انجیل کے لکھنے والوں نے اِن واقعات سے کیا سمجھا۔ مثلاً اسی واقعہ صلیب مسیحؑ میں صرف آپ یہ واقعات لے لیں۔ ایک کا

لکڑی پر لٹکایا جانا۔ تین دن کے بجائے تین گھنٹے وہاں رہنا بیہوش ہو جانا۔ لکڑی سے فوراً اُتارا جانا۔ ممکن ہے کہ وہ مرچکا ہو اور ممکن ہے کہ وہ بیہوش ہو جسم کے چھید سے جالنے پر جسم سے خون اور پانی کا نکلنا۔ اسکی ہڈیوں کا حسب معمول نہ توڑا جانا۔ دشمنوں کا موقعہ پر نہ ہونا۔ فوراً قبر میں رکھے جانا۔ قبر کو بھی آپ یہاں کی قبر نہ سمجھیں بلکہ مختصر سی کوٹھڑی کی وضع پر ایک گڑھے میں اسے رکھکر آگے ایک پتھر ڈانٹ دیا گیا۔ میں نے اُس قبر کو بھی دیکھا ہے جسمیں صلیب کے بعد مسیح رکھا گیا۔ ۴۰ گھنٹے کے بعد صبح ہی صبح قبر میں سے اس کا نکل جانا بھیس کا بدل لینا۔ دشمنوں سے چھپتے رہنا بھیس کو ایسا بدلنا کہ واقفوں کو بھی پتہ نہ چلے کہ یہ کون ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان واقعات کو آپ بائبل سے لے لیں۔ اُس زمانے کی جہالت کو تو آپ چھوڑ دیں۔ ہمارے زمانہ کا کوئی بے علم لیکن معتقد ان واقعات سے اگر وہی نتیجہ نکالے جو انجیل کے لکھنے والے نکالتے ہیں تو کچھ عجب نہیں لیکن ایک عقل و فکر والا آدمی تو یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ وہ صلیب پر مرا پھر زندہ ہوا اور آسمان پر گیا۔ صحیح نتیجہ یہی ہے کہ وہ مصلوب نہیں ہوا نہ پھانسی پر قتل ہوا۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے وہ زندہ مگر موت کی سی غشی میں اُترا۔ پھر موقعہ پاکر قبر سے نکلا کچھ دن دُشمنوں سے چھپا رہا۔ جب بات ٹھنڈی ہو گئی کسی اور طرف چلدیا۔؞

مسز ھاول۔ یہ بات تو صاف ہے کہ جس کے جسم سے خون نکلا وہ تو نہیں مرا اور جب پھانسی پر نہیں مرا تو پھر کفارہ بھی نہ ہوا اور اگر کفارہ نہ ہوا تو عیسائیت کی بنیاد ہل جاتی ہے۔ عیسائیت کی بنیاد تو مسیحؑ کے مصلوب ہونے پر تھی۔ کیونکہ اسی میں وہ کفارہ گناہ دیکھتے ہیں جب مصلوب ہی نہ ہوا تو کفارہ بھی نہ ہوا۔

ایک اور خاتون۔ "اچھا تو ایک بات رہ گئی۔ کیا مسیحؑ واقعی بن باپ تھا۔ یہ تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر بن باپ تھا تو خدا ہو گیا"

میں۔ "وہ کیوں"

وہی خاتون۔ "صرف ایک خدا ہی ہے۔ جو اپنی صفات میں لاشریک ہے۔ اگر مسیحؑ کے بن باپ ہونے میں یا اس کے کبھی اور معاملہ میں کوئی اور انسان شریک نہیں تو پھر وہ خدا ہو گیا"

میں۔ "تو آدمؑ کی بابت آپکی کیا رائے ہے اسکا نہ ماں نہ باپ تھا"

وہی خاتون۔ "وہاں تو ضرورت تھی کیونکہ سلسلہ کیسے شروع ہوتا"

میں۔ "تو آپ صدق سالم کی بابت کیا کہتی ہیں جس کا حوالہ پالوس نے عبرانیوں میں دیا ہے[۱]۔ یہ ابراہیم کے وقت تھا۔ چنانچہ ابراہیم سے بھی اس نے بطور کاہن عشر لیا۔ اسکی بابت پالوس لکھتا ہے کہ نہ اسکا آغاز ہے نہ اسکی زندگی کی انتہا۔ نہ اس کا باپ ہے نہ ماں۔ مسیحؑ کا تو آغاز بھی ہے اور انجام بھی ہے۔ باپ نہیں تو ماں ضرور ہے۔ اگر مسیحؑ بن باپ

[۱] باب (۷)

ہونے کی وجہ سے خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ نہ معلوم صدق سالم خدا کا کیا لگے گا۔ پھر ایک اور بات پالوس نے لکھی ہے کہ مسیح صدق سالم کی جماعت میں سے ہے گویا کاہنوں کی ایک تو وہ جماعت ہے جو لاوی خاندان میں سے تھی اور جن کے ماں باپ تھے ان کے علاوہ بقول پالوس کاہنوں کی ایک دوسری جماعت بھی ہے جس کے ممبر صدق سالم اور مسیحؑ تھے یعنی جن کی پیدائش ماں باپ کو نہیں جانتی۔ الغرض مسیحؑ ان صفات میں فرد واحد ہی نہیں بلکہ وہ کاہنوں کی جماعت کا ایک ممبر ہے اسلئے وہ وحدہٗ لاشریک نہیں ہو سکتا۔"

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری ووکنگ (انگلستان)

براہین نیرہ ... ۱۲/
اُمّ الالسنہ ... ۱۲/
اُسوۂ حسنہ ... ۸/
مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات ۲/
توحید و دعا و تصوف ... ۲/
خطبات عیدین ... ۲/
دہریوں اور ملحدین کو خطاب ... ۲/
اسلام اور دیگر مذاہب ۲/
حقوق النسوان ... ۲/
مسلم مشنری کے ولائتی لیکچر حصہ اوّل ۱/
" " حصہ دوم ۱/
" " حصہ سوم ۱/
لندن میں جلسہ مولود النبی صلعم ... ۲/
لمعات انوار محمدیہ ... ۶/
ذراتِ عالم کا مذہب ... ۸/
مسیح کی الوہیت اور ہستی کامل انسانیت پر ایک نظر ۶/

اسلام اور علوم جدیدہ ... ۴/
اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ... ۴/
رازِ حیات یا انجیل عمل زیر طبع
ضرورتِ اسلام "
توحید فی الاسلام "
مکالماتِ ملیہ "
سیر افکار یا روحانیات فی الاسلام "
سلک مروارید "
باطنیات اسلام "
مطالعۂ اسلام ... "
ہستی باریتعالیٰ "

تصنیفات دیگر مصنفین

قرآن اور جنگ ـ تفسیر سورۂ فاتحہ
سیرت نبوی (آنحضرت صلعم کی زندگی کا مختصر سا خاکہ) بعثت اسلام
دنیا کے مشہور شہدائے ثلاثہ ۸/

المشتہر ـ خواجہ عبدالغنی مینیجر مسلم بک سوسائٹی ـ عزیز منزل لاہور